

مددیں



only for SMS
0333-4213525

محدث

ماہنامہ

لاہور
پاکستان

مشدیر اعلیٰ



جلد ۲۳، شمارہ ۸—رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ—۱۵ اگست ۲۰۱۱ء

اشاعتِ خاص (مسئلہ توبین رسالت؛ قانونی و فقیہ تنازع)

مدیر معاون

کامران طاہر

0302 4424736

فکر و نظر

۲ قانون انتخاب توبین رسالت میں ترمیم کا مطالبہ! ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

تحقیق و تنقید

۲۳ حنفیت کے نام پر غامدیت کی ترجمانی! ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

فقہ و اجتہاد

۷۳ گستاخ رسول کی سزا اور احتفاظ کا موقف علامہ خلیل الرحمن قادری

اعتناء

۷۴ اشاعتِ خاص اور شمارہ بڑا کی تاخیر ادارہ

ز سالانہ = ۳۰۰ روپے

نی شواو = ۳۰ روپے

(بیرون ملک)

ز سالانہ = ۲۰ دلار

نی شواو = ۲ دلار

Monthly Muhaddis

A/c No:984-8

UBL-Model Town

Bank Squire Market, Lahore.

دفتر
کاچہ
ماؤں
54700
لاہور

042-35866476
35866396
35839404

Email:
mkamrantahir@gmail.com

Publisher:

Hafiz Abdur Rahman Madni

Printer:

Shirkat Printing Press, Lahore

Designing (Abdul Wasea)

Crystal Art Lahore 0323-7471862-1

Islamic Research Council

محدث کتاب و سُنّت کی دشمنی میں آزادی بحث و تحقیق کا حصہ ہے لہذا ہم صنون نگار حضرت سے کلی اتفاق ضروری نہیں!



قانونِ اتناں توہین رسالت میں ترمیم کا مطالبہ؟

کسی ریاست کے یوں تو اسلامی ہونے کے متعدد معیارات اور پیمانے ہیں، تاہم ان میں سب سے نمایاں داخلی پیمانہ یہ ہے کہ وہاں اللہ کی شریعت نافذ ہو اور اس کی بنابرلوگوں کے فیصلے کئے جاتے ہوں۔ اسی مقصد کے لئے پاکستان کو حاصل کیا گیا اور اسلامی احکامات کے فروغ کے ساتھ ساتھ شرعی قوانین کے نفاذ کے لئے یہاں بہت سے پر مشقت اور صبر آزماء مراحل سے گزرننا پڑا۔

قیام پاکستان سے قبل ہی متحده ہندوستان میں دین اسلام سے نکاح و طلاق کے بعض قوانین راجح تھے، ۱۹۴۱ء میں ان میں 'عاملی قوانین' کے نام سے متعارف کردہ اصلاحات کے ذریعے بہت سی خلاف اسلام چیزیں شامل کر دی گئیں۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں بطور خاص قانون کو اسلامی بنانے کے لئے اسلامی نظریہ کو نسل، کا وجود عمل میں لا یا گیا۔ بعد ازاں صدر ضیاء الحق مرحوم کا دور اس لحاظ سے خوش آئند ہے کہ اس میں وفاقی شرعی عدالت، حدود قوانین اور آخری سالوں میں قانونِ توہین رسالت بھی متعارف کرایا گیا۔ اسی دور میں جاری شدہ عدالتی عمل کے نتیجے میں قصاص و دیت اور شفعہ کے شرعی قوانین کتاب قانون کا حصہ بننے رہے۔ ضیاء الحق کا دور اس لحاظ سے دیگر تمام ادوار پر فائق ہے کہ انہی سالوں میں دیگر حکومتوں کے بر عکس اسلام کے لئے بہت سے عملی اقدامات کئے گئے جبکہ بعد کے سالوں میں ان قوانین کو دوبارہ واپس کرنے کی کوششیں کی جاتی رہیں۔ حتیٰ کہ ضیاء دور کا شریعت بل کاغز، آخر کار جب ۱۹۹۱ء میں نواز حکومت نے عملی منظور کیا تو اس میں اسلام کے بارے خوبصورت جذبات اور نیک خواہشات کے علاوہ عملی طور پر کوئی قدم شامل نہ تھا۔

گزشتہ برسوں میں وطن عزیز میں حدود قوانین کو غیر مؤثر کرنے کی بھرپور مہم چلائی گئی جس کی شدت اور نوعیت سے باخبر لوگ بخوبی آگاہ ہیں، اس کے نتیجے میں حقوق نواس بل متعارف ہوا جس کی بعض دفعات کے غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ بھی انہی دنوں سامنے آچکا

ہے۔ حال ہی میں امناع توہین رسالت کے قانون پر آئیہ مسح کیس اور سلمان تاثیر کے قتل کے دوران شدید دباو دیکھنے میں آیا لیکن اس حادثہ کے موضوع پر دینی حقوق کے جذبات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت وقت نے اس معاملہ کو فوری طور پر نال دیا۔ الحاد و بے دینی کے اس دور میں قانون توہین رسالت کا یوں تحفظ بہر حال خوش آئندہ ہے!!

بظاہر تو یہ معاملہ فی الحال سرد پڑ چکا ہے، اور اس بارے میں حکومت و عوام کے مابین کوئی سرگرمی دکھائی نہیں دیتی، حتیٰ کہ بعض دینی رہنماء مبارکبادی مضامین لکھ کر معاملے کو نمٹا بھی چکے ہیں لیکن پنجاب کے بعض علمی حقوقیوں نے اس قانون کو تاحال خصوصی دلچسپی کا موضوع بنایا ہوا ہے۔ ان کی کتب و جرائد میں یہ موضوع ایک مرغوب عنوان بن کر نتیجے میں تحقیقات سے وافر حصہ پا رہا ہے۔ یاد رہے کہ توہین رسالت کا موضوع مغرب میں جاری اہانت آمیز خاکوں اور قرآن مجید کے اوراق وغیرہ جلائے جانے، مزید برآں پاکستان میں مغرب زدہ این جی اوز کی دلچسپیوں اور گورنر سلمان تاثیر کے قتل کے بعد مزید حساسیت اختیار کر گیا ہے اور اس بارے میں بڑے محتاط انداز میں گفتگو کی جاتی ہے۔ اس تناظر میں بعض لوگ تو اس قانون کو سرے سے معطل کرنا چاہتے ہیں اور بعض ایسے اقدامات اور سفارشات تجویز کرتے ہیں جن کے نتیجے میں یہ قانون غیر موثر ہو کر رہ جائے۔

۳

ماضی میں جب امناع توہین رسالت کا قانون متعارف ہوا تو اس کی زمینی ضرورتوں اور واقعیتی وجوہ کے ساتھ ساتھ اس کو اس مرحلے تک لانے میں کم و بیش آٹھ برس کا عرصہ صرف ہوا تھا اور یہ پاکستان کے اہل علم کے متعدد موقف کا ہی اعجاز تھا کہ ضیاء دور کی پارلیمنٹ کو باوجود کوئی شکش کے اس قانون میں رخنے رکھنے کا کوئی موقع نہ مل سکا۔ محض یاد دہانی کے لئے یہ اشارہ کرنا مناسب ہے کہ ۱۹۸۵ء کی پارلیمنٹ کے وفاقی وزیر قانون اقبال احمد خاں جب وفاقی شرعی عدالت کے مطابق اور اسلامی میں پیش کردہ مل کے بعد اس امر پر مجبور ہو گئے کہ امناع توہین رسالت کا قانون ۲۹۵ء میں گئے تو انہوں نے اس میں عمر قید کی سزا کا امکان بھی پیدا کر دیا جس کو بعد میں چھ سالہ مسلسل محنت کے بعد دوبارہ وفاقی شرعی عدالت نے حکومت کو نوٹس دے کر حذف کرایا اور ۱۹۹۲ء کی پارلیمنٹ سے ڈرامائی انداز میں اس پورے قانون کی تائید ہوئی۔

پاکستان میں جاری اسلامی قانون سازی کے بارے میں ہمارا اصولی موقف، جو عرصہ دراز سے حدوث کے صفات میں شائع ہو رہا ہے، یہ ہے کہ ”حدود قوانین کو حدود اللہ بنایا جائے۔“

اگست
2011



وضاحت اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ حق صرف قرآن و حدیث یعنی 'وَحْيُ الْهِيْ'، کو ہی حاصل ہے کہ اس کی پابندی کو اللہ رب العزت کا منشاء قرار دے کر عامتہ اُس مسلمین پر نافذ کیا جائے۔ کتاب و سنت ہی مخصوص ہیں، ان میں غلطی کا کوئی امکان نہیں اور کتاب و سنت ہی قیامت تک غیر متبدل اور دائمی شریعت ہیں، ہر قسم کے معاشرے میں اور ہر دور میں ان کی چیزوں کی کرنا مسلمانوں پر فرض ہے جبکہ کتاب و سنت سے مستنبط بہتر سے بہترین قانون یا فقہ اسلامی بھی، چاہے وہ ائمہ اسلاف کی مرتب کردہ ہو، عصمت کا مقام و مرتبہ نہیں پاسکتی۔ فقہاء عظام کی فقہی آراء میں تعدد و اختلاف اس امر کی دلیل ہے کہ ان میں سے حق اور منشاءِ الہی کسی ایک موقف کے ساتھ ہے، اور تمام فقہی آراء یک وقت حق نہیں ہیں۔ ائمہ فقہاء کی آمد اور فقہی جبود و مساعی سے قبل بھی خیر القرون میں کتاب و سنت پر ہی عمل ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے شریعت اسلامیہ کے کسی بھی موقف کو پہلے قانونی الفاظ کی شکل دے کر نافذ کرنا دراصل شریعت اسلامیہ کے نام پر بعض ایسے فاضل انسانوں کی شرعی رائے (فتہ) کو نافذ کرنا ہے جن سے غلطی کا صدور ہو سکتا ہے۔ ایسے قوانین کبھی غلطی سے کلی طور پر پاک نہیں ہو سکتے اور ان پر تمام مسلم اہل علم کا حقیقی اور کلی اتفاق امر محال ہے جس پر مسلمانوں میں قانون سازی کی مختصر تاریخ شاہدِ عدل ہے۔ الغرض ضرورت اس بات کی ہے کہ کتاب و سنت کو براہ راست نافذ کیا جائے اور اس کے لئے ماہرین شریعت کو تیار کیا جائے۔ یہ ماہرین شریعت کتاب و سنت کے معنی و مفہوم کے تعین کے لئے فقہاء عظام کی تحقیق و تدقیق سے آزادانہ استفادہ کریں، لیکن کسی شخص کو سزا و جزا، کسی انسان یا بعض انسانوں کے تعین کردہ قانونی دفعہ کی بجائے، اللہ رب العزت کے قول و مراد (قرآن و حدیث) کی بنابری دی جائے۔ اسی میں تقدس ہے اور یہی قرآنی حکم ﴿لَمْ يَجْعَلْكُمْ هِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ...﴾ کا تقاضا ہے !!

مزید برآں ہمارے مروجہ جمہوری نظام کو کسی شرعی حکم کو قانون قرار دینے کے پیچھے جو قوت کا فرماء ہے، وہ دلیل شرعی کی بجائے ووٹنگ کی قوت پر استوار ہے۔ اس بنابر پاکستانی معاشرے میں زکوٰۃ دینا یا شراب کا ممنوع ہونا اس پر موقف نہیں کہ یہ قرآن و سنت کا حکم ہے، بلکہ اس بنابر ممنوع ہے کہ عوامی نمائندوں کی اُس اکثریت نے اس قانون کو پاس کیا ہے جو شریعت اسلامیہ سے ناواقف ہے۔ اس بنابر ان ظاہر شرعی قوانین کی اطاعت کیا اللہ کی اطاعت شمار ہو گی یا جمہوریت کے عوامی نمائندوں اور نظام کی ؟ ظاہر ہے کہ اسلامی قوانین کی

تاثیر اور نفاذ کا یہ پہلو بھی خصوصیت سے توجہ کا مقاضی ہے !!

اسلامی قوانین میں اختلاف رائے کا مسئلہ

اس موقف کو پیش نظر نہ رکھنے کا نتیجہ ماضی میں بھی یہ اکتار ہا کہ وہ حدود قوانین جنہیں بڑے خلوص کے ساتھ علماً کرام اور قانونی ماہرین نے مرتب کیا تھا، ان کی تعبیر اور درست ہونے پر آج تک متعدد آرایاں جاتی ہیں۔ ہر کسی عالم و فقیہ کی تعبیر دوسرے صاحب علم کے رہMAN سے لگانیں کھاتی اور وہ اس سے اختلاف کر بیٹھتا ہے !!

① جو لوگ آج ان حدود قوانین کی بر ملا تائید کرتے ہیں، وہ بھی اس بنا پر ایسا کرتے ہیں کہ ان میں شریعتِ محمدیہ پر عمل کرنے کا داعیہ اور جذبہ موجود ہے، اس لئے اصولی طور پر ان کی تائید ہوئی چاہئے، نہ کہ اس بنا پر کہ یہ اسلام کے عین مطابق ہیں۔

② ان اسلامی قوانین میں غلطی اور اصلاح کی بات آج وہ لوگ بھی کہ رہے ہیں جو ان اسلامی قوانین میں ترمیم کے داعی ہیں جبکہ ماضی میں یہ قوانین انہی حضرات کے کبار علماء کرام کی مشاورت اور تائید سے مرتب ہوئے ہیں۔

③ جبکہ سیکولر طبقوں کو اسی بنا پر یہ بہانہ اختیار کرنے کا بھی موقع ملا ہے کہ

پاکستان میں مردوج اسلامی قوانین کا شرعی تشخیص قابل غور ہے اور ان کی بنا پر شرعی آثار مرتب ہونے میں ایک سے زیادہ آرا ہو سکتی ہیں کیونکہ یہ قوانین کون سے اللہ کے الفاظ ہیں؟ یہ بھی تو ہماری طرح انسانوں کی ہی تعبیر ہیں جن میں کمی بیشی اور غلطی کا امکان موجود ہے۔ اس بنا پر ان قوانین کو ہدف تقدیم بناانا یا انہیں ’سیاہ قانون‘ قرار دینے سے کو نہ اشیریعتِ اسلامیہ پر حرف آتا ہے؟

④ حال ہی میں جو لوگ قانون امناع توہین رسالت کی مز عمومہ اصلاح کے لئے میدان میں اترے ہیں، وہ ماضی میں ہونے والی ایسی کاوشوں کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”جزل پرویز مشرف کے دور میں حدود قوانین میں ترمیم کی ضرورت کے حوالے سے ذرائع ابلاغ میں بحث مباحثہ کامیدان سمجھایا گیا تو مذہبی حلقوں نے ابتداء میں سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کیا کہ یہ قوانین اعلیٰ سطحی اسلامی ماہرین نے بہت گہرے غور و فکر اور مشاورت کے بعد بنائے ہیں اور ان میں جو خلا یا فاقع نص بتائے جاتے ہیں، وہ بے بنیاد ہیں، اس لئے ان میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں۔ تاہم آخر





کار علامی ایک کمیٹی نے ان میں سے بعض قوانین کو شرعاً لحاظ سے قبل اصلاح تسلیم کرتے ہوئے خود ان میں ترمیم کے لئے تجویز پیش کیں۔ اس سارے عمل سے ذہنوں میں ایک سوال تو یہ پیدا ہوا کہ اگر قانون میں خامیاں موجود تھیں تو گزشتہ تیس سال میں مذہبی حلقوں نے ان کی اصلاح کے لئے کوشش کیوں نہیں کی اور ہر موقع پر یہ اصرار کیوں کیا جاتا رہا کہ ان قوانین کو چھیڑناحدو اللہ اور احکام شرعیہ میں مداخلت کے مترادف ہے۔“^۱

قانون توہین رسالت میں تجویز کردہ ترمیم

اس تحریر کے مصنف نے اس اساس پر اپنے تین قانون توہین رسالت کے ضمن میں ایک تبادل موقف پیش کرنے کی سعی کی ہے جو ان کے تفصیلی مضامین اور ان کے زیر ادارت مجلہ کے صفات پر پھیلی نظر آرہی ہے۔ اپنے مضمون کے آخر میں انہوں نے واضح الفاظ میں اس ساری تحقیقی جدوجہد کا ہدف بھی واضح کر دیا ہے، لکھتے ہیں:

”توہین رسالت سے متعلق حالیہ قانون چند بنیادی اور اہم پہلوؤں سے نظر ثانی کا محتاج ہے، اس لئے جید اور ذمہ دار علامی کراہ نمائی میں مذہبی جماعتیں درج ذیل امور کو ملاحظہ کر کتے ہوئے ایک ترمیم شدہ اور جامع مسودہ قانون پارلیمنٹ میں پیش کریں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

- (۱) جو شخص بھی دانستہ اسلام یا پیغمبر اسلام کی توہین کرے، اس کو پاکستان کے شہری حقوق سے محروم کر دیا جائے۔ (۲) اس جرم میں افراد کی بجائے پاکستان کی ریاست کو مدعا ہونا چاہئے۔ (۳) پہلی مرتبہ جرم سرزد ہونے پر جرم کو توبہ، مغفرت اور معافی کا موقع دیا جائے، اگر اس کی بد نیتی ثابت ہو جائے اور اصلاح احوال نہ ہو تو اس کی توبہ کو قبول نہ کیا جائے۔ (۴) جرم کی نوعیت اور اثرات کے پیش نظر کم تر سزاوں کی گنجائش رکھی جائے اور موت کی سزا، اس جرم کی انتہائی صورت میں اسی وقت ہی دی جائے جب جرم کا سد باب اور اس کے اثرات کا ازالہ اس کے بغیر نہ ہوتا ہو۔“^۲



یہ ہے ناموس رسالت کے مسئلہ پر کئی ماہ سے جاری بحث مباحثہ کا حاصل اور مدعایہ مذکورہ بالاتر تینی کاؤنٹ پر ہماری معروضات حسب ذیل ہیں:

حدود قوانین پر قوی بحث مباحثہ کا نتیجہ؟

ناموس رسالت کے تحفظ اور سزا کے جائزہ سے قبل، حدود قوانین کے سلسلے میں مضمون نگارنے جس بحث مباحثہ کا حوالہ دیا ہے، پہلے ہم اس کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہیں کیونکہ اس سے زیر بحث مسئلہ پر مفید رہنمائی حاصل ہوگی۔ یہ درست ہے کہ حدود قوانین سو فیصد اسلامی نہیں بلکہ اس میں بہت سی خامیاں ہیں، تاہم اس قانون کو ترتیب دینے والے علماء کے پیش نظر یہ تھا کہ پاکستانی معاشرے میں اینگلو سیکسن سزاوں کی بجائے شرعی سزاوں جاری کی جائیں جو پاکستان کے قیام کا مقصد بھی ہے۔ اسی بنا پر علمائی طرف سے اس کی تائید کی جاتی رہی جبکہ محقق موصوف جیسے بہت سے سکالر اس وقت قوم کو حدود اسلامی پر مرد و جب موقف اور اس قانون کی خامیاں گنوانے میں لگے ہوئے تھے۔ ابھی قارئین کو وہ دور بھولا نہیں ہو گا جب جاوید احمد غامدی اور ان کے رفقا جنگ گروپ کے 'ڈر اسوسیٹی' ایجنسٹے کے زیر عنوان 'محققانہ سوچ' کو پروان چڑھانے میں مصروف تھے۔ غامدی صاحب کے اس انتشارِ فکری اور محققانہ سرگرمی کا یہ نتیجہ تو کہیں برآمد نہیں ہوا کہ مشرف حکومت نے ان سے مشاورت کر کے حدود قوانین میں وہ اصلاح کر دی جو ان کا منشا تھی، تاہم حکومت اور سیکولر طبقے نے ان کی تحقیق سے یوں استفادہ کیا کہ عوام انساں میں انتشار اور علمائے کرام کو فکری ہزیرت سے دوچار کرنے کے لئے ان کے ٹی وی پروگراموں اور مضامین کو بڑھا چڑھا کر نشر کیا اور اس کے نتیجے میں 'ویکن پرو ٹیکشن بل'، کے نام سے ایسا بل لے آئے جو حدود قوانین سے کہیں زیادہ غیر اسلامی تھا۔ اس بل کے غیر اسلامی ہونے پر پاکستان کے تمام معروف و مسلمہ دینی حلقوں متفق و متحد تھے۔ اب یا تو جاوید احمد غامدی اور ان کے رفقا اس بل کے عین اسلامی یا کم از کم حدود قوانین کی بہ نسبت اسلام سے قریب تر ہونے کا دعویٰ کریں تو ان کو حقیقت کا آئینہ دکھایا جائے اور غامدی محققین کے لئے آج توہین رسالت کے قانون کے لئے ولیسی ہی محققانہ سرگرمی کا جواز قبول کیا جائے۔ ہمارے خیال میں غامدی محققین حدود قوانین کے مرحلے پر سیکولر مقاصد اور مغرب نواز ایجنسٹے کے لئے اس بری طرح استعمال ہوئے کہ اس کو کم از کم الفاظ میں شرم ناک اور عبرت آموز قرار دیا جا سکتا ہے۔ آج پاکستانی قوم پر



ویکن پر دیکشن بل کی صورت میں جو شرم ناک قانون مسلط ہے، اس کو نافذ کرنے کے سلسلے میں جاوید غامدی کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور وہ عند اللہ اس کی مسئولیت سے بری نہیں ہوں گے، کیونکہ مروجہ حدود قوانین کی خامیاں پیش کرنے میں جو نکتہ رسیاں انہوں نے دکھائی تھیں، اس میں کوئی دوسرا حلقة ان کا سہیم و شریک نہیں تھا۔

حالیہ مباحثے سے مطلوبہ اصلاح کیوں کبر آمد ہو گی؟

قانون توہین رسالت میں اصلاح ممکن ہے اور ہم بھی اس میں بعض اصلاحات پیش کر سکتے ہیں، مثلاً اس میں توہین کی یہ سزا صرف ذات گرامی عَلَيْهِ الْبَشَرُوا کی حد تک خاص ہے، جبکہ شریعتِ اسلامیہ کا تقاضا ہے کہ یہ سزا تمام انبیاء کے کرامہ کی اہانت تک وسیع ہو اور وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلے میں اس نکتہ کو شامل بھی کیا تھا، لیکن چونکہ اس وقت پاکستان میں مروجہ قانون، وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے بعد پارلیمنٹ کی ۱۹۹۲ء میں پاس کردہ قانون سازی کی بنابر نافذ العمل ہے، اس لئے یہ پہلو اس میں موجود نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ قانون توہین رسالت کا اصل اعتبار اور اعتماد، ضیادور کی اسمبلی اور وفاقی شرعی عدالت کی بجائے ۱۹۹۲ء کی اسمبلی اور سینٹ کے متفقہ فیصلے پر ہے اور یہ خالص جمہوری تقاضے پورے کرنے والا ملکی قانون ہے۔

اصلاح کے بعض نکات کو اپنے تین ملاش کر لینا اور اس کو مشتمہ کرنا، جبکہ وہ اصلاح بھی در حقیقت اصلاح کی بجائے افساد ہی ہو، کوئی ایسا مشکل امر نہیں۔ لیکن اگر مجلہ 'الشرعیہ' کے مدیر محترم پاکستان میں شرعی قوانین کا فروغ چاہتے ہیں تو انہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ حکمران اور یہ دور اس مقصد کے لئے قطعاً موزوں نہیں۔ ان کی یہ فاصلانہ کوششیں، صرف مروجہ قانون اور معروف موقف کو، جو امت مسلمہ کی ایک عظیم اکثریت بلکہ قرآن و سنت کا بر اور است منشا بھی ہے، متاثر کرنے کا ہی سبب بین گی اور ان کی دانشورانہ سرگرمیاں ان لوگوں کے لئے تحقیقی غذا کا کام دیں گی جو اس قانون کو مسح کر کے آخر کار بے اثر کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ حکومت سے بڑی مخصوصیت سے یہ مطالباً اس اعتماد کی بنابر کر رہے ہیں، گویا ان کی نظر میں ہماری حکومت کی منشاء مراد بھی یہ ہے کہ وہ اسلامی احکامات کو نافذ کریں۔ کیا انہیں اس حکومت کا جناب صوفی محمد کی نظامِ عدل کی تحریک کے ساتھ کیا گیا حشریاد نہیں یا وہ اس حکومت کی امریکہ نوازی اور اسلام دشمنی کے تمام اقدامات کو مبنی بر انصاف سمجھتے ہیں جو



اُن سے یہ معصومانہ توقع رکھتے ہیں؟

محقق موصوف کے علم میں ہونا چاہئے کہ ۱۹۹۲ء کے واضح جمہوری فیصلے اور عدالتی احکامات کے بعد جب پاکستانی حکومتوں کے لئے یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ قانون امنیتِ توبین رسالت کو بدل سکیں تو پہلی بے نظیر حکومت نے اس قانون کے اجرامیں ہر ممکن روٹے اٹکائے۔ ۱۹۹۳ء میں اس کو پولیس کی ذمہ داری (یعنی ریاست کے خلاف جرم) سے نکال کر سیشن کورٹ یا محضریٹ کے پاس بطور استغاثہ درج کرنے کا نگ راستہ مقرر کیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں حکومت کو توبین رسالت کے جرم سے کوئی سروکار نہ رہا، اور یہ عوام پاکستان کا مسئلہ قرار پایا کہ اگر وہ پریشانی محسوس کریں تو سیشن نج یا محضریٹ کے پاس جا کر فریاد کننا ہوں۔ پھر دوسری نواز شریف حکومت نے ۱۹۹۸ء میں اس جرم کے اندر ارج کے لئے ایسے چھ افراد پر کمیٹی بھی ضروری قرار دے دی جس میں دو عیسائی افراد اور ایک ڈپٹی کمشنر اور ایک ایس پی شامل ہوں۔ پھر مشرف حکومت نے ۲۰۰۲ء میں اس جرم کی تفتیش کے لئے ضروری قرار دیا کہ ایس پی سے نچلے درجے کا کوئی افسر اس کیں کی تفتیش کرنے کا مجاز نہیں ہو گا۔ ان تمام ترتبدیلوں کے باوجود بھی جب توبین رسالت کا کوئی وقوع پوری شدت سے رونما ہو جاتا ہے تو اس وقت اسی حکومت کا مدارالمہام صدر زرداری اپنے نمائندے سلمان تاشیر کو شاترِ رسول کے لئے یہ بشارت سنانے بھیجا ہے کہ تمہیں بے فکر ہو جانا چاہئے۔ حکومتوں کے انہی رجحانات اور بعض اقدامات کا نتیجہ ہے کہ آج ۱۹۱۹ء بر سر گزر جانے کے باوجود بھی پاکستان میں توبین رسالت کے کسی ایک مجرم کو بھی سزاۓ موت نہیں ہو سکی۔ تاریخ کی ان مستند گواہیوں کے بعد بھی حکومت کے رجحانات میں خوشی فہمی کی توقع رکھنا، اس کو ترمیم کی دعوت دینا اور اس سے اصلاح احوال کی امید رکھنا زی سادگی ہے!

جو زہ ترمیم پر ایک ناقدانہ نظر

یوں تو مضمون نگار کی موجودہ قانون میں جو زہ تبدیلیاں ہی ان کے رخ کا تجویزی پتہ دے رہی ہیں لیکن اس جرم میں حکومت کو مدغی بناتا تو لکل نامناسب ہے۔ اس کے غلط مضرمات یہ ہوں گے کہ حکومت وقت جب چاہے گی اس جرم کی نوعیت میں ترمیم و تبدیلی کر سکے گی یا اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو جائے گی اور یہ جرم معاشرے میں ہو تاریخے گا۔ موصوف اس جرم کو جس ہلکے چلکے انداز میں لے رہے ہیں، اسے بھی کم سے کم الفاظ



میں افسوس ناک ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ مجرم کے شہری حقوق کا خاتمه کوئی بڑی سزا نہیں، کیا پاکستان کے دیگر شہریوں کے حقوق پوری طرح ادا ہو رہے ہیں جو اسے اب ایک سزا کے طور پر متعارف کرنے کی ضرورت ہے۔ اور توبہ کے انکار کے باوجود مجرم کو سزا موت نہ دینا بھی نزدیق ہے۔ موصوف تو سزا موت کو صرف اسی حالت میں گوارا کر رہے ہیں، جب یہ جرم انتہائی درجے میں وقوع پذیر ہو اور اس جرم کے انسداد کی اس کے سوا کوئی اور صورت نہ ہو۔ تو ہیں رسالت کی یہ جو زہر اسلامی میں کہیں نہیں پائی جاتی...!!

① اگر کسی ریاست میں اسلامی احکامات کی یہ حالت ہو جیسا کہ پاکستان میں ہے تو اس وقت اہل دین کو چاہئے کہ اتفاق و اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو کچھ موجود ہے، اسی کو غنیمت جانیں۔ نہ کہ پہلے سے حاصل کردہ کامیابیوں میں 'مزید اصلاح' کے جذبے سے، خامیاں نکالنا شروع کر دیں جس سے فائدہ اخلاقی ہوئے حکومت وقت انہیں اس سے بھی محروم کر دے۔

② کیا اس بات کو موجودہ قانون کی اصلاح قرار دیا جائے یا تحریک؟ کہ اہانت رسول کے جرم کو قبل توبہ قرار دے کر مجرم کے تکرار اور شدتِ جرم کا انتظار کیا جائے۔ اس دور میں پیغمبر اسلام کی اہانت کو جس بڑے پیمانے پر معمول بنالیا گیا ہے اور دنیا بھر کا میڈیا اور حکومتیں اسے اظہار رائے کا حق جتنا پر تلی ہوئی ہیں، اس تناظر میں اس جرم کی روک تھام پوری شدت سے ہونی چاہئے۔ کم از کم مسلمانوں کے ممالک میں تو حرمتِ رسول کی پاسداری اشد ضروری ہے۔ آج مسلم ممالک میں جو بد بخت تو ہیں رسالت کا ارتکاب کرتا ہے، اس کو غیر معنوی پر وٹوکول دیا جاتا اور اس کو این جی او ز سپانسر کرتی ہیں، دنیا بھر سے اس کی حمایت میں بیانات جاری کئے جاتے ہیں۔ آسیہ سعی یا مختار اماں کی اس کے سوا کیا اہمیت ہے کہ ایک نے رسول رحمت ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے اور دوسری پاکستان کو سوا کر رہی ہے اور اسی جرم کی بدولت عالمی چرچ اور دنیا بھر کے میڈیا کی آنکھوں کا تاریخی ہوئی ہیں۔ الغرض جب بھی اسلام کے نام پر کسی جرم کا سزا کا مسئلہ درپیش ہو تو دنیا بھر کی دلچسپیاں اس میں دیدنی ہوتی ہیں۔

③ یہ بھی یاد رہے کہ انہم فقہاء کے مابین اہانت رسول کے مرٹکب کی توبہ کی قبولیت اور عدم قبولیت کے مابین جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس میں ان کے ادوار اور موجودہ ادوار کا فرق

بھی ملحوظ رہنا چاہئے۔ غلبہ اسلام یا خلافتِ اسلامیہ کی موجودگی میں کوئی بد بخت اگر اہانتِ رسول کا ارتکاب کرتا تو اہل اسلام اس کا سد باب کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، جبکہ آج کھلم کھلا اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول ﷺ کی ناموس کو پامال کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کے بے غیرت حکمران اس پر اک حرفِ نہ ملت بھی ادا نہیں کرتے۔ مسلم ممالک میں غیر مسلم لوگ، اسلامی شعائر کو پامال کر کے، اسے اپنے مابین عزت و افخار کا وسیلہ بناتے ہیں اور دنیا بھر کا کفران کی پشت پر جمع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس دور میں توبہ کی گنجائش میر کر دینا، تو نبی اسلام ﷺ کی ناموس کو غیروں کے ہاتھ میں کھلونا بنا دینے کے متادف ہے۔

ہمارے مخاطب چونکہ حنفی علماء کرام ہیں اور ان کے ہاں توہین رسالت کے ایسے مجرم کے لئے جو ذمیٰ ہو، قانونی رعایت کے موقف کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ اس بنا پر مصر کے ایک حنفی محقق زاہد الکوثری کا موقف ملاحظہ فرمائیے کہ انہوں نے ایسے حالات میں فقہ حنفی کا منشا یہ قرار دیا ہے کہ جب ذمیوں کی ایسی حالت ہو تو اس وقت امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی ان کا عہدِ ذمہ ٹوٹ جائے گا اور وہ واجب القتل ہوں گے، لکھتے ہیں:

إن أبا حنيفة يرى أن لا انتقض العهد أهل الذمة بشيء من ذلك
إلا أن يكون لهم منعة يقدرون معها على المحاربة أو أن يلتحقوا
بدار الحرب فمتى انتقض عهدهم أبيح قتلهم متى قدر عليهم
”امام ابو حنیفہ کی رائے میں اس جرم کے ارتکاب سے اہل ذمہ کا معاهدہ نہیں ٹوٹتا۔
وہ صرف اس وقت ٹوٹتا ہے جب وہ ایسی جھٹکہ بندی کر لیں جس کے مل بوتے پر
انہیں جنگ کی قوت حاصل ہو جائے یادار الحرب میں چلے جائیں۔ چنانچہ جب ان کا
معاهدہ ٹوٹ جائے توجہ بھی ان پر قدرت حاصل ہو، انہیں قتل کرنا مباح ہو گا۔“
اسی سے ملتی جلتی بات امام مرغینانی کی ”الہدایہ“ میں بھی ان الفاظ میں موجود ہے:
ولا ینتقض العهد إلا أن یلتحق بدار الحرب أو یغلبوا على موضع
فیحاربونا

۱ دارالاسلام میں ادائیگی جزیہ کی بنا پر امان یافتہ غیر مسلم

۲ التک المطريقہ: ص ۳۳۴، بحوالہ کتابیچ توہین رسالت کا مسئلہ: ص ۵۸





”معاهدہ اس وقت ٹوٹ جائے گا جب ذمی دار الحرب میں چلا جائے یا اہل ذمہ کسی علاقے پر قبضہ کر کے ہمارے خلاف بر سر پیکار ہو جائیں۔“^۱

فی زمانہ توہین رسالت کے مرکزیں کو فوری طور پر مغربی ریاستیں اپنے پاس اس تیزی سے بلیتی ہیں کہ مسلمانوں کو کافروں کا ن خبر نہیں ہوتی، جیسے نواز شریف کے اول دور میں جرمنی میں دو شامیں رسول کرامت اور سلامت مسیح کو تحفظ دیا گیا اور سلمان رشدی کو لندن میں تاحال تحفظ ملا ہوا ہے۔ اور پورا مغربی میڈیا اور حکومتیں، مع عالمی عیسائی چرچ ان کی تائید کے لئے اہل اسلام کے خلاف معنوی جنگ برپا کر دیتے ہیں۔ ایسے بدجھتوں کی خصوصی مہماں نوازی کی جاتی اور ان کے تحفظ پر لاکھوں ڈالر صرف کئے جاتے ہیں۔

③ مزید برآں ایسی صورت حال میں شریعت کے ان احکام کو پیش کرنا جو خلافتِ اسلامیہ کی موجودگی میں پیش کئے گئے اور ان کی بنابر ایسے مجرمین کی رعایت کا موقف اپنانا درست نہیں کیونکہ شرعی احکام کا اطلاق مختلف افراد اور حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے بھی صورت حال کی روایت کرتے ہوئے

رخص في القبلة للشيخ وهو صائم، ونها عنها الشاب وقال:

«الشيخ يملأ إربه، والشاب يفسد صومه»^۲

”نبی کریم ﷺ نے بوڑھے شخص کو روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لینے کی اجازت دی اور نوجوان کو اس سے منع کر دیا اور فرمایا: کیونکہ بوڑھا شخص اپنی شہوت پر قابو رکھتا ہے اور نوجوان اس بنابر اپنے روزے کو فاسد کر جائیے گا۔“

امام بیکی نے امام مالک کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے یہی بات بیان کی ہے:

وقد يحصل بمجموع أمر حكم لا يحصل لكل واحد منها وهذا معنى قول مالك: يحدث للناس أحكام بقدر ما يحدث لهم من الفجور فلا نقول إن الأحكام تتغير بتغير الزمان بل باختلاف الصورة الحادثة فإذا حدثت صورة على صفة خاصة علينا أن ننظر



فیہا فقد یکون مجموعہا یقتضی الشرع لہ حکماً
 ”بس اوقات متعدد امور کے مجموعہ پر جو شرعی حکم لگتا ہے، وہ حکم اس کے ہر ہر جز پر
 صادق نہیں آ رہا ہوتا اور یہی امام مالک کے اس قول کا مفہوم ہے کہ جوں جوں لوگ
 فتن و فجور میں مبتلا ہوتے جائیں گے، ان کے لئے احکام میں تبدیلی ہوتی جائے گی۔
 ہم یہ نہیں کہتے کہ شرعی احکام زمانے کی تبدیلی کی بنا پر بدلتے ہیں، بلکہ یہی پیدا
 شدہ صورت حال کی بنا پر احکام کے اطلاق میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ جب بھی کوئی
 مخصوص صورت حال پیدا ہو تو یہیں چاہئے کہ اس میں از سر نو غور کریں کیونکہ
 بعض اوقات حالات کا نیا مجموعہ شریعت کے دوسرے حکم کا مقاضی ہوتا ہے۔“

پاکستان کے غیر مسلم، شرعی ذمی کا مصدقہ نہیں!

متخلقه مجلہ میں شائع کے جانے والے مضامین سے پتہ چلتا ہے کہ بعض حنفی فقہا کے
 نزدیک توبین رسالت کی سزا ذمی کے لئے وہ نہیں جو اس وقت مروجہ قانون میں متعارف
 کرائی گئی ہے۔ بالفرض اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ فتحی کے بعض فقہا کا موقف
 یہی ہے کہ ذمی کے سلسلے میں ضروری ہے کہ اس کو موت کی سزا شرعاً نہ دی جائے بلکہ عوام
 المسلمين اور سیاسی مصالح کے پیش نظر دی جائے تو اس سے ہمارے پیش نظر حالات میں کوئی
 فرق واقع نہیں ہوتا۔ فقہاء کرام نے جس دور میں یہ تقسیم کی تھی، وہ دارالاسلام اور دار
 الکفر، الحرب، العهد وغیرہ کا دور تھا۔ جبکہ پاکستان میں بننے والے غیر مسلم، جنہیں ذمی قرار
 دے کر ان کے بارے میں رعایت کا موقف پیش کیا جا رہا ہے، نہ تو شرعی معنوں میں ذمی ہیں
 کیونکہ وہ جزیہ ادا نہیں کرتے، اور نہ ہی وہ مکتبہ حیثیت کے شہری بننے پر قانع ہیں بلکہ وہ تو برابر
 کے شہری ہونے کے دعویدار ہیں۔ ذمی، معاہد اور مسلم ہونے کی تقسیم تو ان ریاستوں میں
 ہوتی ہے جو اسلامی ڈھانچے اور نظریاتی اساس پر قائم ہوں، ان میں خلافت وعدالت سمیت
 تمام اسلامی نظام جاری و ساری ہوں، جبکہ موجودہ ریاستیں وطنی اساس پر جدید نیشنل سٹیشن
 ہیں جن میں مغرب کا جمہوری نظام کار فرمایا ہے۔ اس جمہوری نظام کی بنا پر ہی ہمارے ہاں
 غیر مسلم حضرات ذمی کا تشخص اپنانے پر آمادہ نہیں ہیں۔ موصوف کے مضمون میں ہی ذمی
 کے بارے میں یہ فقہی جزیہ بھی پیش کیا گیا ہے جس سے حنفی فقہا کا منشاءخوبی معلوم ہوتا





ہے، نامور حنفی فقیہ علامہ زین الدین ابن نجیم لکھتے ہیں:

و لا ينتقض عهد بالإباء عن الجزية والزنا بمسلمة وقتل مسلم
و سب النبي ﷺ لأن الغاية التي ينتهي بها القتال التزام الجزية
”ذی اگر جزیہ دینے سے انکار کرے یا کسی مسلمان عورت کے ساتھ بدکاری کرے،
یا کسی مسلمان کو قتل کر دے، یا نبی ﷺ کی توبین کرے، تو اس سے اس کا معابدہ
نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ وہ غایت جس پر قاتل رک جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ذی جزیہ ادا
کرنے کی ذمہ داری قبول کرے۔“

علامہ ابن نجیم نے جس ذی کویہ ساری گنجائشیں عطا کرنے کا موقف پیش کیا ہے وہ اس کا
جزیہ ادا کرنے کی پابندی کو قبول کرنا ہے۔ اب کیا پاکستان میں موجود غیر مسلم جزیہ ادا کرتے
ہیں؟ قرآن کریم نے بھی جزیہ کا یہ واضح اصول بیان کیا ہے:
 ﴿حَتَّىٰ يُعْظُوا الْجِزِيَّةَ عَنْ يَدِهِمْ صَغِرُوْنَ﴾

” حتیٰ کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں اور چھوٹے بن کر رہیں۔“

فضل شہیر ڈاکٹر محمود احمد غازی بھی یہی رائے رکھتے ہیں کہ ماضی کی دارالاسلام اور
دارالکفر یعنی نظریاتی ریاستوں کے دور کی بخششوں کو موجودہ وطنی ریاستوں کے دور میں از سر نو
دیکھنا ضروری ہے کہ اب ان اصطلاحات کے معانی اور اطلاعات بدلتے ہیں۔

لہذا پاکستان میں بننے والے غیر مسلموں پر شرعِ اسلامی کے وہ احکام لاگو ہوں گے جو کافر
کے بارے میں ہیں، اور کافر کے بارے میں احادیثِ نبویہ کی دلالت واضح ہے کہ آپ کے دور میں
کئی یہودیوں اور مشرکین کے علاوہ یہودی عورت کو بھی شتم رسول کی بنابر سزا میں موت دی گئی۔
اور کافرشام کے بارے فتنہ حنفی میں بھی کوئی اختلاف نہیں، بعض اختلاف کا اختلاف تو ذمیوں
کے بارے میں ہے۔ جیسا کہ صاحبُ درختار، علامہ حسکفی حنفی نے واضح کہا ہے:

و (الكافر بسب نبی) من الأنبياء فإنه يقتل حداً ولا تقبل توبته
مطلقاً ولو سبَّ الله تعالى قبلت لأنَّه حق الله تعالى والأول حق

عبد لا يزول بالتوبة ومن شك في عذابه وكفره كفر



”جہاں تک شامِ نبوت یا کسی اور نبی کے گستاخ کافر کا تعلق ہے تو اس کو بطور حد قتل کیا جائے گا، اور مطلقاً اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ تاہم اگر وہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرے تو اس کی توبہ مقبول ہو سکتی ہے کیونکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے جبکہ پہلے جرم میں بندے کا حق بھی شامل ہے جو توبہ سے زائل نہیں ہوتا۔ جو شخص کافر کی اس سزا اور اسکے کفر میں شک کرے تو وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔“

جہاں تک پاکستان میں مردوجہ قانون کا تعلق ہے تو اس کی رو سے تو جو شخص جس علاقے میں ہو، اس پر اس وقت وہی قانون نافذ ہوتا ہے۔ گویا قانون کا تعلق نظریہ و عقیدہ کی بجائے علاقہ وزیری سے جوڑ دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ فرانس میں بننے والے مسلمانوں پر، ان کے شرعی اعتقاد کے بر عکس فرانس کا امناٰع حجاب کا جمهوری قانون نافذ ہوتا ہے اور پاکستان آنے والے غیر ملکیوں پر پاکستان کا قانون۔ اس بنابر پاکستان میں جمهوری تقاضوں کے مطابق بننے والا یہ اسلامی قانون ملک کے تمام شہریوں پر بلا امتیاز لاگو ہوتا ہے، جن میں مسلمان اور ذمیوں کا کوئی فرق موجود نہیں۔

مردوجہ قانونی نظام میں توبہ کا مصرف؟

مذکورہ بالا نکتہ کو یہ بات بھی تقویت دیتی ہے کہ جرم و سزا کے پاکستان میں مردوجہ مغربی تصور کی رو سے، ریاست کو گناہ کی روک تھام سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہئے؛ یہ فرد اور اللہ کا باہمی معاملہ ہے۔ ریاست کا کام ہے جرام کی روک تھام... جس پر کنٹروں کے سلسلے میں توبہ کا کوئی عمل دخل نہیں، بلکہ جرم کی دنیوی سزا ہی اس کو روک سکتی ہے۔ پاکستانی ریاست جرم و سزا کو اللہ اور بندے کے شرعی تعلق کی بجائے جمهوری نمائندوں کے طے کردہ انسانی قانون کے تناظر میں دیکھتی ہے جس میں توبہ کا کوئی مصرف نہیں۔ اس بنابر مضمون نگار کا یہ قرار دینا کہ اہانت کے مجرم کو توبہ کا موقع فراہم کیا جائے، موجودہ قانونی تصور میں سرے سے ایک بے معنی سفارش ہے۔

پھر کیا ایسا ممکن ہے کہ پاکستان میں چوری کرنے والا توبہ کے بعد مال واپس کر کے اپنی سزا ختم کروالے۔ جب کسی دوسرے جرم کے ضمن میں ایسی کوئی بات موجود نہیں تو پھر اللہ



کے رسول ﷺ کی ناموس ہی اتنی ارزال کیوں ہے؟ قانونِ توہین رسالت کو یہاں مروجہ دستوری تقاضوں کے عین مطابق نافذ کیا گیا ہے، اور یہ اس وقت پاکستان کا منتظر شدہ مروجہ قانون ہے جس کی پابندی ہر شہری کو کرنا ضروری ہے۔

جہاں تک اسلام کے قانونی تصور کا تعلق ہے تو اسلام میں بھی مجرم کے قاضی کے پاس آجائے کے بعد، توبہ کی بنابر اُس کی دنیوی سزا سے معافی کا کوئی امکان نہیں ہے، جیسا کہ یہ بات صریح احادیث سے ثابت ہے، حتیٰ کہ مضمون نگار جو اس جرم کی اساس اہانت کی بجائے محاربہ کو قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ کے سلسلے میں قرآن کریم کا حکم تو بالکل واضح الفاظ میں موجود ہے، کہ محاربہ میں توبہ کی بنابر معافی کی گنجائش من قبیل آن تقدیر دُوا علیہم سے مشروط ہے۔ اسلام میں عدالت کے علم میں آجائے کے باوجود توبہ کی گنجائش تو صرف ارتداد کے جرم میں ہے اور ارتداد ایک حد ہے جس کو توہین رسالت کی سزا کی اساس کے طور پر بھی مضمون نگار تسلیم نہیں کرتے بلکہ توہین رسالت کی سزا کی علت جرم محاربہ کو قرار دیتے ہیں، پھر نامعلوم کس بنابر ایسے مجرم کو توبہ کی گنجائش کا موقف اختیار کیا جا رہا ہے؟

اوپر درج شدہ دونوں عنوانات پر اگر غور کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ پاکستان میں جاری نظام جرم و سزا اور مردّجہ قانون کے ہوتے ہوئے تو اہانتِ رسول کے حقیقی مجرم کے لئے کسی گنجائش کا کوئی امکان نہیں۔ تاہم اگر اس قانون کو فکری انتشار اور علمی بحران کا شکار کر کے نظر ثانی کے لئے بھیج دیا جاتا ہے تو نئی قانون سازی میں ان سفارشات کو پیش نظر لایا جائے گا اور اس بنابر نئی قانون سازی کی جائے گی۔ راقم نے یہ ساری بحث اسی بنابر فقہی تناظر کی بجائے قانونی اور معاشرتی تناظر میں کی ہے کہ اصل قانون تو اس وقت نافذ ہے جو ہر مجرم پر جاری ہے۔ توہین رسالت پر نئی بحثیں شائع کرنے کا اس کے سوا کوئی فائدہ نہیں کہ قانون تبدیل کروانے کی فہمازگاری کی جائے، اس کے بعد یہ فقہی بحثیں قانون کی صورت میں موثر ہو کر سامنے آئیں گی۔ غرض یہ سفارشات اور فقہی مباحث مردّجہ قانون میں تبدیلی کے نقطہ نظر سے پیش کی گئی ہیں جس کے نتیجے میں حکومتِ وقت اس قانون کی اصلاح کے نام پر حدود قوانین کی طرح اس کو مسخ اور ناقابل سزا بنا کر چھوڑے گی، اس کا جواب زیادہ مشکل نہیں ہے۔ اس تناظر میں فقہ اسلامی کے نام پر کی جانے والی یہ مجددانہ کاوش



انہتائی قابل افسوس ہے!

اس باب میں فقه حنفی کا معترض موقف کیا ہے؟

راقم نے بغور ان مضامین کا مطالعہ کیا ہے جنہیں زیر نظر مجلہ میں شائع کیا جاتا رہا۔ ان مضامین میں کتاب و سنت کی ترجیحی کی بجائے فقه حنفی کے تاریخی موقف کی تحقیق پیش گئی ہے کہ وہ امر واقع میں کیا تھا اور کیا نہیں؟ بہت مناسب ہوتا کہ اصل مسئلہ پر اتنی دیگر تحقیق دینے کی بجائے یہی توجہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے استدلال پر صرف کی جائی تاکہ یہ محنت جملہ اہل اسلام کے لئے مفید و با مقصد ہوئی۔ یا کم از کم فقه حنفی کے دلائل اور جرم اہانتِ رسول کے سلسلے میں حنفی فقہا کے تجزیہ جرم کوہی پیش کر دیا جاتا ہے، یعنی اس کی بجائے صرف فقه حنفی کے موقف کا تاریخی تعین ایک بہت ہزوی نکتہ ہے۔ جہاں تک موقوف کی بات ہے تو اس کے تعین میں خود مضمون نگارنے بے انہا اضطراب لی نشاندہی کی ہے حتیٰ کہ بعض حنفی فقہا میں اس معاملے پر واضح تضاد بھی نظر آتا ہے۔ یہ اضطراب اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب سے لے کر مضامین و مقالات میں بھی موجود ہے۔

مزید برآں جب قوی سطح کی کسی قانون سازی کی بات ہو تو اس میں محض فقه حنفی کی بناء پر قانون کی نظر ثانی کا مطالعہ فکری ترجیح اور فقہی جبر کاشاہیہ دیتا ہے۔

فقہ حنفی کے حقیقی یا معترض موقف کے بارے میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ اس سے بالکل مختلف ہے جسے مضمون نگارنے اپنے مضامین میں پیش کیا ہے، جیسا کہ اس پر راقم کا ایک تفصیلی مضمون اسی شمارے میں شائع ہو رہا ہے۔

۱ قانون امنتاع توہین رسالت کے بارے میں حکومتی رجحان اور تازہ اقدام اس خبر سے واضح ہوتا ہے جو روز نامہ 'ڈان' میں ۲۳ جون ۲۰۱۱ء کو شائع ہوئی کہ "حکومت پاکستان نے زیر اعظم یوسف رضا گیلانی کی زیر صدارت ہونیوالے اجلاس میں اقوام متحده کے 'توہشن برائے عدم تشدد' UN Convention against Torture کی دفعات ۱۲، ۱۳، ۳، ۲، ۱۲، ۳ کے خلاف اپنے تحفظات واپس لے کر ان کے نفاذ اور پابندی کی مظہوری دے دی ہے۔ واضح ہے کہ دفعہ نمبر ۶ پاکستان میں توہین رسالت پر سزاۓ موت کے نفاذ پر بعض سنجیدہ رکاوٹیں کھڑی کرتی ہے جبکہ دفعہ نمبر ۳ کے ذریعے پاکستان میں خاندانی نظام کے ڈھانچے کو محدود کرنے، مردوج قانون شہادت اور صدر کے لئے مسلمان ہونے کی شرط وغیرہ پر اثرات عائد ہوتے ہیں۔ اسی طرح قادیانیوں کے پاکستان میں اسلامی شخص وغیرہ پر بھی نظر ثانی کی توقع ہے۔" معلوم ہوا کہ حکومت خود عالمی اداروں سے توہین رسالت کی سزاۓ موت دینے کے خلاف معاهدے کر رہی ہے۔ اس کے بعد ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں!





اولاً، تو آج سے بیس برس قبل اس قانون کی تکمیل کے موقع پر وفاتی شرعی عدالت اور جمہوری رہنماؤں کے سامنے پاکستان کے تمام مکاتب فکر کا جو نامناہمہ موقف پیش کیا گیا تھا، اس میں کسی اختلاف کا کوئی شایدہ نہ تھا، وگرنہ حکومت اس قدر واضح قانون سازی کرنے پر کبھی مجبور نہ ہوتی۔

اس وقت حنفی علمائی اس قانون سے اختلاف نہ کرنے کی وجہ اس کے سوا کوئی نظر نہیں آتی کہ بعض علمائے احناف کے ہاں دیگر اہل علم سے اگر کوئی اختلاف پایا جاتا ہے تو وہ فقط ذمی کے مسئلے میں ہے اور چونکہ ذمی کا ہونا اس دور میں متحقق نہیں اور نہ ہی پاکستان کے غیر مسلموں پر ذمی کا حکم لگایا جا سکتا ہے، اس بنا پر علمائے احناف نے بھی اس سے کوئی اختلاف نہیں کیا تھا۔ اور یہ کہنا کہ حنفی اکابر فقہ حنفی کے اس اختلافی جزئی سے بے خبر یا غافل تھے، ایک طرف ان کے علمی مقام پر تہمت ہے تو دوسرا طرف تاریخی حقائق سے بھی اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اس سے قبل ۱۹۳۰ء میں توہین رسالت کے مشہور غازی علم دین کیس کے موقع پر یہ بحثیں متعدد ہندوستان میں اٹھ چکی ہیں، جیسا کہ اس کی تفصیل مولانا عبد الماجد دریابادی کے مضمون مطبوعہ ۱۹۳۲ء میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

۲۵ برس قبل موقر حنفی مدرسہ جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث مولانا عبد المالک کاندھلوی نے اپنا موقف ان الفاظ میں شرعی عدالت کے سامنے پیش کیا تھا:

”امت کے تمام فقہاء اور ائمہ مفسرین و محدثین کا فیصلہ ہے کہ توہین رسول اللہ کی سزا موت ہے۔..... علامہ شامی نے اس پر امت مسلمہ کا اجماع ذکر کیا ہے کہ جو بھی شخص آں حضرت ﷺ کی شان میں توہین کرے، اس کی سزا قتل ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور سفیان ثوری، شام و عراق اور مصر کے تمام قاضیوں اور مفتیوں کا یہی فتویٰ عدالتوں میں تافذ و جاری رہا۔ توہین رسالت کے مرتكب شخص کے بارے میں تاریخ اسلام میں کبھی کوئی اختلاف نہیں پایا گیا اور صحابہ کے علی سے بھی اس بات کا ثبوت ملا کہ آنہوں نے ایسے مجرم کو سزاۓ موت دی اور آں حضرت ﷺ نے اس کی توہین

فرمانی۔ اس موقع پر ہم یہ بات واشگاف الفاظ میں کہنا چاہتے ہیں کہ اگر عدالتی سطح پر کسی ایک عدالت کا کسی مقدمہ میں فیصلہ نظیر قرار دیا جاتا ہے اور اسے عدالتیں نظر قرار دے کر فیصلے کرتی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ امت مسلمہ کا اجماع، تمام ائمہ کا اجماع،





اور سب سے بڑھ کر بارگاہ رسول ﷺ سے صادر شدہ فیصلہ ہماری عدالت نہ مانے اور اس کے مطابق اس جرم کی سزا، سزاۓ موت تسلیم نہ کرے۔.....
قرآنِ کریم کی سورۃ المنافقون کی آیت نمبر ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی منافق تنہائی میں بھی آں حضرت کے متعلق صرف اتنی سی بات کرے کہ پیغمبر اور اس کے ساتھی ذلیل ہیں، عزت والے نہیں تو اس کو مستحق قتل شمار کیا گیا۔“^۱

کراچی کے معروف جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن کے ترجمان ماہنامہ بینات کے مدیر مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے اسی موقف پر ان الفاظ میں اپنا موقف پیش کیا:
”اسلامی قانون کی رو سے توبین رسالت کا مرکب سزاۓ موت کا مستحق ہے اور اس مسئلہ پر تمام صحابہ و تابعین متفق ہیں۔ انگریز کے دور اقتدار میں ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لئے کوئی قانون نہ تھا لیکن راجپال جیسے ازی بدنخنوں نے آں حضرت ﷺ کی عزت پر ناپاک حملے کئے اور وہ غازی علم الدین شہید جیسے فدائیانِ رسالت کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچے...“^۲

مجاہدِ ناموس رسالت جناب محمد اس معلیل قریشی کی کتاب ’ناموسِ رسول اور قانون توبین رسالت‘، جو اس قانون کی تشکیل [۱۹۸۲ء تا ۱۹۹۲ء] کی مستند تاریخی و ستاویزی ہے، میں درجنوں علماء کرام کے فرائیں اور اقوال کو درج کیا گیا ہے اور اس موقع پر کسی مکتبہ فکر نے امتِ اسلامیہ کے اس مرکزی موقف سے سرموا نحراف نہیں کیا۔ جس کا اس کے سوا کیا مفہوم ہے کہ وہ سب اہل علم اس قانون کے اطلاق کو وسیع مانتے تھے اور موجودہ زمانے کے غیر مسلموں کو فقیہ موسیٰ گافوں کی بنا پر اس میں کوئی رعایت دینا انہیں گوارا نہیں تھا۔

ثانیاً، احناف کے اختلافی، کلاسیک یا تاریخی موقف سے قطع نظر، جن کی روایات میں بھی اختلاف موجود ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ احناف کے پاکستان میں مفتی پر قول کو پیش نظر رکھا جائے۔ احناف کے مفتی پر قول کی روشنی میں ماضی میں پاکستان میں فیصلہ دیا جا چکا اور حال میں بھی پاکستان کے احناف کی اکثریت اسی کی قائل ہے، جیسا کہ نامور حنفی علاما کا موقف اوپر بیان ہو چکا۔ علاوہ ازیں بریلوی مکتبہ فکر، جو حنفی فقہ پر ہی عمل پیرا ہے، کا اپنی

۱ ناموسِ رسول اور قانون توبین رسالت، از محمد اس معلیل قریشی: ص ۱۶۳، ۱۶۴

۲ ایضاً: ص ۱۵۳





بھر پور عددی اکثریت کے ساتھ موقف آج بھی وہی ہے جو پہلے تھا، اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ دیوبندی مکتب فکر جو حنفی فقہ کا ہی پیر و کار ہے، کی اکثریت کا موقف بھی آج تک یہی ہے جسے اب تحقیق کے نام پر متاثر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ نامور بریلوی عالم مولانا احمد سعید کا ظلمی لکھتے ہیں:

”کتاب و سنت، اجماع امت اور تصریحات ائمہ دین کے مطابق توہین رسول کی سزا صرف قتل ہے۔ رسول ﷺ کی صریح خلافت، توہین رسول ہے۔ قرآن مجید نے اس جرم کی سزا قتل بیان کی ہے، اسی بنابر کافروں کے قتل کا حکم دیا گیا ہے... فتاویٰ قاضی غال کے مطابق کسی شے میں حضور ﷺ پر عیب لگانے والا کافر ہے اور اسی طرح بعض علماء فرمایا کہ اگر کوئی حضور ﷺ کے بال مبارک کو شعر کی بجائے ”شیعیر“ (بصیرہ تغیر) کہہ دے تو وہ کافر ہو جائے گا اور امام ابو حفص الکبیر حنفی سے منقول ہے کہ اگر کسی نے حضور ﷺ کے کسی ایک بال مبارک کی طرف بھی عیب منسوب کیا تو وہ کافر ہو جائے گا۔“

فاضل مضمون نگار نے ماضی میں جس طرح حدود قوانین کی نئی تعبیر پر ایک مستقل کتاب لکھ دی تھی، جسے بعد میں ”متجد“ اسلامی نظریہ کو نسل نے شائع بھی کر دیا تھا، ان کی اس تحقیق سے سیکولر طبقات یا مانکریں حدیث کے سوا معروف و نمائندہ اہل علم کو کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا، جیسا کہ اس کے بعد جامعہ مدنیہ لاہور کے مفتی ڈاکٹر عبد الواحد خبڑہ اور مولانا عبد القیوم حقانی سمیت وفاق المدارس العربیہ کے ترجمان مہ نامہ ”وفاق المدارس“ ملتان میں اس کے خلاف تردیدی مضامین شائع کئے گئے۔ ان حضرات نے حدود قوانین پر اس متجد دانہ موقف کی پر زور تردید کی تھی، پتہ چلا ہے کہ اب بھی مفتی صاحب موصوف اس مسئلہ پر مفصل تردید لکھ رہے ہیں۔ بہر طور حنفیت کی یہ تازہ تحقیق بھی وقت گزرنے کے ساتھ اپنی حیثیت واضح کرے گی کہ کیا یہی پاکستان کے احناف کا مفتی ہے قول ہے یا نہیں؟ سرو است اسے حنفیت کے نام پر ایک ”تحقیقانہ ندرت“ ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

انہی دنوں جناب مضمون نگار کے سلے چچا مولانا عبد القدوس قارن بن مولانا سرفراز خاں



۱ دیکھئے محمد حبیث شمارہ فروری ۲۰۱۱ء میں شائع شدہ مضمون: ”مسئلہ توہین رسالت پر علماء احناف کا موقف“ از علامہ محمد تصدق حسین اور کتابیچہ گستاخ رسول کی سزا اور فقهاء احناف، از مؤلف مذکور

۲ ”ناموس رسول اور قانون توہین رسالت“ از محمد اسحیعیل قریشی: ص ۱۵۲، ۱۵۸

صدر کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں حفیت کی اس نادر تحقیق کی بھرپور دلائک کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں کہ ”احناف کے نزدیک اس کی حد قتل نہیں ہے، پاکستان میں اکثریت احناف کی ہے، اس لئے ان کے نظریہ کے مطابق اس کی حد قتل نہیں ہوئی چاہئے۔“ مولانا قاران رقم طراز ہیں:

”یہ اعتراض مکروہ فریب کا جال اور احناف کے مسلک سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔

اس مسئلہ میں احناف کی بعض عبارات کو لے کر تحفظ ناموس رسالت قانون میں تبدیلی کرنے والے مفاد پرستوں کو بھی خیال نہیں آیا کہ ۱۹۵۶ء سے نافذ عالیٰ قوانین، بھی تو احناف کے نظریہ کے خلاف ہیں، ان کو تبدیل کروانے کے لئے کیوں آواز نہیں اٹھائی جاتی حالانکہ ان میں سے بعض مسائل میں نوبت واضح حرام کے ارتکاب تک جا پہنچتی ہے۔ پھر یہ بھی غلط بیانی ہے کہ گستاخ رسول کی حد قتل کی صورت میں احناف کے نظریہ کے خلاف ہے۔ اس پر یہی دلیل کافی ہے کہ اس قانون کو منظور کروانے والوں میں حفیٰ دیوبندی مکتب فکر کے جید عالم دین استاذ الحدیث بن حضرت مولانا عبد الحق صاحب، اکوڑہ خنک والے بھی تھے جن کی تدریسی خدمات نصف صدی سے زائد ہیں اور ان کے سینکڑوں شاگرد شیخ الحدیث اور استاذ الحدیث کے مناصب پر فائز ہیں۔ اور حفیٰ بریلوی مکتب فکر کے نامور عالم دین علامہ عبد المصطفیٰ ازہری تھے جو اپنے طبقہ میں ماہی ناز مدرس اور مفتی تھے۔ پھر ان کو اپنے طبقہ کے تمام علماء کرام کی حمایت بھی حاصل تھی۔ اگر یہ قانون حنفی نظریہ کے مخالف ہوتا تو اس کو حنفی علماء کی حمایت حاصل نہ ہوتی جبکہ کسی ایک قابل شمار عالم کی مخالفت میری نظر سے نہیں گزری۔ موجودہ دور کے احناف سے پہلے بھی فقہاء احناف گستاخ رسول کے قتل کا ہی نظریہ رکھتے تھے۔“

یاد رہے کہ مجلہ ’الشريعة‘ کے شمارہ جون میں پاکستانی احناف کے انتہائی معتمد عالم مولانا مفتی رفیع عثمانی کا ایک مضمون بھی شائع کیا گیا تھا جس میں مولانا نے ذمیٰ کے ساتھ ساتھ توجیہ رسالت کے مجرم کے لئے توبہ کی گنجائش کا امکان پیش کیا تھا۔ لیکن مجلہ مذکور کے شمارہ اگست میں مولانا عثمانی نے اس موقف کی اپنی طرف نسبت پر تردد کا اظہار بایس الفاظ کیا ہے،



جس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ مجلہ مذکور میں شائع ہونے والے موقف سے متفق نہیں:
 ”آپ حضرات کی ذمہ داری ہے کہ آئندہ شمارے میں اس بات کی واضح تردید کر دی جائے اور یہ واضح کیا جائے کہ یہ مضمون غلطی سے حضرت کے نام سے شائع کیا گیا ہے اور حضرت کو اس مضمون سے مکمل اتفاق بھی نہیں ہے۔“

راقم نے علماء احناف کے حقیقی اور کامل موقف کی وضاحت کے لئے ایک مستقل مضمون ترتیب دیا ہے جسے مستقل طور پر عنقریب شائع کیا جائے گا۔ جہاں تک مضمون نگار کے توہین رسالت پر بیان کردہ موقف کا تعلق ہے تو وہ کسی طرح حفیت کی تربھانی نہیں کرتا، بلکہ وہ سراسر جاوید غامدی کے موقف کی نمائندگی پر مبنی ہے جس کی تفصیلات اسی شمارے میں مستقل طور پر شائع کر دی گئی ہیں۔

غامدی فرقے نے آسیہ مسیح کیس کے موقع پر سات ماہ قبل حنفی موقف میں اخطراب کا شوشہ چھوڑا تھا، اور اس کے بعد جاوید غامدی کے اپنے قلم سے اس موضوع پر تین مضامین کے علاوہ مجلہ اشراق میں متعدد ایسے مضامین بھی شائع ہو چکے ہیں جن میں حنفی موقف کی من مانی تحقیق کو اچھالا جا رہا ہے۔ عین انہی دنوں مجلہ الشریعہ میں بھی نہ صرف نصف درجن کے قریب اسی موضوع پر مضامین شائع ہوئے، بلکہ مدیر مجلہ نے ایک تفصیلی تحقیق مستقل کتابچہ کی صورت میں بھی شائع کر دی ہے جس کو بعد ازاں روزنامہ پاکستان نے بڑے پیمانے پر شائع بھی کیا ہے۔ اس موقع پر اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے بعض پروفیسر صاحب حفیت کی اسی تحقیق کو انگریزی زبان میں ترجمہ کرنے کی ’دینی خدمت‘ بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ جاوید غامدی کے توجہ دلانے سے قبل ماضی میں حنفیت کے نام پر یہ تحقیق کہیں نظر نہیں آتی، اس سے بھی اس سارے منظر نامے کے مقاصد و بحثات کا بخوبی علم ہو جاتا ہے۔ ان تمام کاؤشوں کا اس کے سوا کوئی مقصد نہیں کہ جاوید غامدی کے اخادی موقف کو مسلمانان پاکستان کے اتفاقی موقف کے بعد، نام نہاد تحقیق کے ذریعے مسلط کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو اس سازش کو سمجھنے اور اس کا مدارا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!





ڈاکٹر حافظ حسن مدینی

‘مسئلہ توہین رسالت’ پر مجددانہ موقف کا جائزہ

حقیقت کے نام پر غامتیت کا پھر

ماہ نامہ ‘الشريعة’ کے شمارہ جون ۲۰۱۱ء میں قانون توہین رسالت کے بارے میں بعض تراجمیم تجویز کی گئی ہیں۔ ان تراجمیم کی اشاعت سے قبل، اسی مجلہ کے متعدد مضامین میں فقه حنفی کے موقف کے بارے میں جدید تحقیق بھی شائع ہوئی ہے۔ جبکہ مجلہ ہذا کے مدیر محترم بھی ‘توہین رسالت کا مسئلہ’ کے نام سے ایک مستقل کتابچے میں اس معاملے پر فقه حنفی کی تفصیلی تحقیق پیش کرچکے ہیں۔

اس مضمون میں یہ یہ جائزہ لیا جائے گا کہ فقه حنفی کی نئی تحقیق کی اساس جن نظریات کو بنایا گیا ہے، کیا وہ فقة حنفی کا مقصد و مدعایں بھی یا نہیں؟ اور اپنی تحقیق میں انہوں نے اس موضوع کے حوالے سے جو بعض دعوے کئے ہیں، کیا وہ دعوے تحقیقی طور پر درست ہیں؟ مزید بر آئی آخر میں اس امر کا بھی جائزہ لیا گیا ہے کہ اگر یہ تراجمیم فقه حنفی سے ماخوذ نہیں تو پھر پیش کی جانے والی ان تراجمیم کا اصل مصدر و مأخذ کیا ہے اور اس کے مجوز محترم کے پیش نظر وہ کونسے رجحانات ہیں جنہوں نے انہیں یہ موقف شائع کرنے پر مجبور کیا۔ دوسرے لفظوں میں مضمون نگار کے اپنے موقف کی اساس کیا ہے اور وہ کس نقطہ نظر کے حامی ہیں جس کی بنا پر وہ ایسی تراجمیم متعارف کردار ہے ہیں۔

یاد رہے کہ ان تراجمیم کی اشاعت سے قبل انہوں نے حنفی موقف میں اضطراب کی اشاعت کی اور اسے اپنے مخصوص نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی۔ حالانکہ مضمون نگار کا اصل موقف جو انہوں نے اپنے کتابچے میں صراحت سے لکھا ہے، احتجاف کی موجودہ تعبیر و توجیہ سے بہر حال مختلف ہے۔ ان تراجمیم میں وہ احتجاف کے نمائندہ ہونے کی بجائے اس گروہ کی نمائندگی کرتے ہیں جو رجم کو بھی حدِ شرعی مانتے سے منکر ہے۔ حد رجم کی شرعی حیثیت سے انکار پر مبنی منکرین حدیث کے اس موقف کی ماضی میں بھی علماء احتجاف سمیت جمیع اہل علم قوی دلائل سے تردید کرچکے ہیں اور اس پر کئی کتب منظر عام پر آچکی ہیں۔





مضمون نگار کا موقف، اُن کے الفاظ میں

مضمون نگار کا موقف یہ ہے کہ توہین رسالت کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی مقررہ سزا نہیں بلکہ اسے بھی حدِ حربہ کے ضمن میں لایا جائے۔ اپنے رسالت میں وہ لکھتے ہیں:

”اللّٰہ تَعَالٰی نے ایسے لوگوں کو جو اپنے قول و فعل سے آپ کی حیثیت رسالت کو چیخ کریں اور اس کے مقابلے میں سرکشی اور بغاوت کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کریں، سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۳۳ میں سخت اور سنگین سزاوں کا مستحق قرار دیا ہے۔“

قرآن کریم کی اس آیت کی رو سے نبی ﷺ کوہراں شخص یا گروہ کے خلاف اقدام کا حق حاصل تھا، جو اسلام کے بارے میں محاربہ اور معاندت کا رودیہ اختیار کرے اور جسے سزا دینا آپ موقع و محل کی رو سے مناسب سمجھیں۔ ظاہر ہے کہ جن افراد نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں اپنے خبیث باطن کا اظہار کرنے کے لئے آپ کی توہین و تنتقیص، بھجو گوئی اور سب و شتم کا رودیہ اختیار کیا اور اسے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی معانداتہ ہمہ میں ایک ذریعے کے طور پر استعمال کیا، وہ بدیکی طور پر محاربہ کے مر تکب تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسی اختیار کے تحت ایسے بہت سے افراد پر موت کی سزا انداز فرمادی۔“^۱

ایک اور مقام پر احادیثِ نبویہ میں سے توہین رسالت کے بہت سے واقعات ذکر کرنے کے بعد نتیجہ کے طور پر لکھتے ہیں:

”ذکورہ تمام مجرموں کو دی جانے والی سزا دراصل اللہ اور اس کے رسول کے خلاف محاربہ کی سزا تھی، اور نبی کریم ﷺ کے حین حیات میں اس جرم کا ارتکاب کرنے والے بدیکی طور پر اس سزا کے زیادہ مستحق تھے، اس لئے ان واقعات میں عقل و منطق کے سادہ اصول کے مطابق یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ محض سب و شتم کے مجرم کوہر حال میں قتل کرنا لازمی ہے۔“^۲

یہ مقالہ نگار موصوف کا وہ موقف جو انہوں نے ”توہین رسالت کا مسئلہ“ نامی اپنے کتابچے میں تفصیل سے لکھا ہے، جسے مکتبہ امام اہل سنت، گوجرانوالہ نے شائع کیا ہے۔ اُن کی اس موقف کی جھلک اُن کے ترمیمی مطالبوں میں بھی دیکھی جاسکتی ہے، جس میں وہ ایسے

۲۲



اگست
2011

۱ کتابچہ ”توہین رسالت کا مسئلہ“، ص: ۱۰

۲ ایضاً: ص: ۲۸

۳ ترمیمی تجدیز کے لئے دیکھنے ادارتی صفحات میں شائع ہونے والا مضمون، ص: ۶

مجرم کو حتی الامکان معاف کرنے کے رجحان پر گامزن ہیں، اور توہین رسالت کے مرتبک کے لئے سزاے موت کو صرف ایسی انتہائی سزا کے طور پر اجازت دینے کے روادار ہیں جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ موقف فقهاء احتاف کا نہیں جو اہانت رسول کو ایسا جرم سمجھتے ہیں جس کی سزا شریعتِ اسلامیہ میں مقرر شدہ ہے۔

موصوف کا اس جرم کو سرکشی اور عناد کی انتہائی حد کے ساتھ سمجھی کر دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اکیلی توہین رسالت کو مستقل بالذات جرم نہیں سمجھتے۔ یہ ویسا ہی موقف ہے جیسے مجده دین کا یہ موقف ہے کہ رجم شادی شدہ زانی کی مستقل بالذات سزا نہیں ہے، تاہم وہ رجم کو زنا کے بدترین اور عادی مجرم کی انتہائی سزا کے طور پر گوارا کرتے ہیں۔ ان کے موقف کی مزید وضاحت رسالہ کے صحیح نمبر ۳۴ پر ملاحظہ ہو جسے انہوں نے فقہ حنفی کے حوالے سے لکھا ہے:

”جہاں تک توہین رسالت کے جرم پر سزاے موت کے حد یا تعزیر ہونے کا تعلق ہے تو اس حوالے سے فقهاء احتاف کے موقف اور صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتهدین کے مابین کوئی اختلاف نہیں [کہ یہ حد نہیں ہے]۔ یہ تمام اہل علم اسے ایک تعزیری سزا ہی سمجھتے ہیں، البتہ جموروں کے نزدیک اس جرم پر ترجیح ایسی [موت کی] سزا دی جانی چاہئے جبکہ احتاف کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ عمومی قانون کے طور پر سزاے موت کے بجائے کم تر سزاوں کا نفاذ زیادہ قرین قیاس و مصلحت ہے۔“

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ

”فقہاء احتاف اور جموروں فقہاء کے مذکورہ احتلاف کی تعبیر عام طور پر یوں کردی جاتی ہے کہ جموروں اہل علم توہین رسالت پر سزا کو ‘حد’ یعنی شریعت کی مقرر کردہ لازمی سزا سمجھتے ہیں جبکہ احتاف کے نزدیک یہ سزا ایک تعزیری اور صوابدیدی سزا

۱ مولانا امین احسن اصلاحی کا رجم کے بارے موقف ملاحظہ ہو: ”رجم یعنی سگار کرنا ہمارے نزدیک [سزاے محابہ] تقتیل کے تحت داخل ہے۔ اس وجہ سے وہ گندے اور بد معاش جو شریفوں کی عزت اور ناموس کے لئے خطرہ بن جائیں، جو اغوا اور زنا کو پیش بنالیں، جو دن دہیا لے لوگوں کی عزت و آہ و پراؤ کے ڈالیں، کھلم کھلا زنا بال مجرم کے مرتبک ہوں، ان کیلئے رجم کی سزا اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہے۔“ (تمبر قرآن ۲۷۶/۲)

”جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن میں رجم کی سزا کوئی ذکر نہیں ہے، ان کا خیال بالکل غلط ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ سزا ہر قسم کے زانیوں کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف ان زانیوں کے لئے ہے جو معاشرے کے عزت و ناموس کے لئے خطرہ بن جائیں۔“ (تمبر قرآن: ۵۰۵/۲)

۲ بریکٹوں میں کی جانے والی صراحت راقم کی طرف سے ہے، کیونکہ پوری عبارت اور اگلے اقتباسات سے بھی تبادلہ ہوتا ہے۔ اس صراحت سے قادری کو مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔



四

ہے۔ ہماری رائے میں یہ تعبیر بالکل غلط اور اختلاف کی نوعیت پر بالکل غور نہ کرنے یا شدید قسم کے سوء فہم کا نتیجہ ہے۔ فقہا کے مابین اختلاف اس کے حد ہونے یا انہوں نے میں نہیں اور احتلاف کی طرح جمہور صحابہ و تابعین، جمہور انہم مجتہدین اور جمہور محمد شین بھی اس کو 'تغیر' یعنی تبدیل کرتے ہیں۔ ”

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

”ہماری تحقیق کے مطابق سب سے پہلے جس عالم نے توہین رسالت پر سزاے موت کو شریعت کی مقرر کردہ حد قرار دینے پر اصرار کر کے تعبیر کی اس غلطی کو بنیاد فراہم کی، وہ آنھوں صدی کے عظیم مجدد امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد امام ابن قیم رحمہ اللہ ہیں۔ ممکن ہے بعد کے دور کے بعض فقهاء نے اس اختلاف کو کسی جگہ محض تجوڑا اور توسعنا حدمانے یا نہ ماننے کے اختلاف سے تعبیر کر دیا ہو لیکن جہاں تک صحابہ و تابعین، جہوڑو محدثین اور ائمہ مجتہدین میں سے بالخصوص امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا تعلق ہے تو یہ بات پورے اطہیان سے کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے اس سزا کو ہر گز شرعاً حد کے طور پر بیان نہیں کیا اور نہ فقہی مذاہب کی امہابت کتب میں اس سزا کو اس حدیث سے پیش کیا گیا ہے۔“

اپنی بحث کے اختتام میں خلاصہ کے طور پر لکھتے ہیں:

”اس جرم کے ارتکاب پر سزاے موت کو حد قرار دینے کے لئے قرآن یا حدیث میں کوئی قطعی یا صرتوں تسلیم موجود نہیں۔ اس کام اخذ عام طور پر ایسے واقعات کو بینایا گیا ہے جن میں ایسے افراد کو قتل کیا گیا جنہوں نے صرف سب و شتم کا نہیں، بلکہ اس کے علاوہ دیگر سنکھنیں جراہم کا بھی ارتکاب کیا تھا یا سب و شتم کو مستغل روشن کے طور پر اختصار کیا تھا۔“

اب اُن کی زبانی فقه حنفی کا موقف بھی ملاحظہ فرمائیے:

”جمهور فہمے احتجاف کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وقتی کیفیت کے تحت اس جرم کا ارتکاب کرے، اور پھر اس پر اصرار کے بجائے معدرات کا رو یہ اختیار کرے تو اس سے در گزر کرنا یا لکلی پسلکی سزا پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔ البتہ اگر دیدہ دانستہ کیا جائے یا معمول کی صورت اختیار کرے تو عدالت کو قتل کی سزا دینے کا اختیار



^۱ کتابچہ ”توہین رسالت کا مسئلہ“: ص ۱۶

۲ کتابچہ ”توہین رسالت کا مسئلہ“: ص ۲۰

٣- ايضاً: نکته نمبر ٣، ص ٢٥

بھی حاصل ہے۔“^۱

موصوف کے بیان کردہ موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ

① توہین رسالت کی سزا کتاب و سنت میں مقررہ طور پر کہیں بیان نہیں ہوئی۔

② صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے مابین اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ تمام اہل علم اسے ایک تعریری سزا ہی سمجھتے ہیں۔

③ اُن کے خیال میں توہین رسالت کی سزا کوامت مسلمہ میں سے کوئی بھی حد تسلیم نہیں کرتا اور سب سے پہلے اسے حد قرار دینے کی غلطی امام ابن تیمیہ سے سرزد ہوئی۔

④ احناف کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ عمومی قانون کے طور پر سزاے موت کے بجائے کم تر سزاوں کا فناذ زیادہ قرین قیاس و مصلحت ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک پہلے پہل مجرم سے درگزر کرنا اور اس کو بلکل چمکلی سزا دینے پر اتفاق کرنا مناسب ہے۔

⑤ توہین رسالت کی سزا جرم کی شدت کے پیش نظر ہو گی، اور یہ سزا نبی کریم ﷺ نے معاشرے میں فساد یعنی محاربہ کے نقطہ نظر سے دی ہے۔

مضمون نگار کے ان اقتباسات کے فوری بعد اگر جاوید احمد غامدی کے مسئلہ توہین رسالت کے بارے میں موقف کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے دونوں کے مابین گہرے اتفاق واشتراک کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، بلکہ ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ جاوید غامدی کا موقف اس مسئلہ پر زیادہ صریح واضح ہے جبکہ مضمون نگار کا موقف قدرے پیچیدہ اور الجھا ہوا نظر آتا ہے، کیونکہ وہ بہت سی باتیں واضح الفاظ میں نہیں کہہ سکتے جبکہ دونوں کا مقصد و تیجہ ایک ہی ہے۔ یہاں دونوں موقفوں کے تقابلی مطالعے کی بجائے ذیل میں ہم شریعت اسلامیہ اور فقہ حنفی سے ان دعووں کا جائزہ لینے کے بعد جاوید غامدی کے موقف کا تذکرہ کریں گے۔

توہین رسالت کی شرعی سزا

موصوف کے یہ دعوے سراسر غلط ہیں۔ کیونکہ احادیث نبویہ کے نہ صرف درجنوں واقعات بلکہ صریح احادیث میں اصولی طور پر شتم رسول کی سزا کو قتل ہی قرار دیا گیا ہے۔ راقم الحروف نے احادیث میں توہین رسالت کے حوالے سے آنے والے ڈیڑھ درجن

۱ ایضاً: نکتہ نمبر ۳۲، ص ۲۵

۲ جاوید غامدی کے تحریری اقتباسات اس مضمون کے آخری صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔





واقعات پر مشتمل ایک تفصیلی مضمون اپنے عرصہ قبل تحریر کیا تھا، تفصیل کے شاکرین اس کی کی طرف رجوع کریں۔ ان احادیث کی رو سے شامانِ رسول: کعب بن اشرف، عبد اللہ بن خطل، اس کی لوٹیاں، مقیم بن صبایہ، عبد اللہ بن سرح اور ابو رافع یہودی وغیرہ کی طرف آپ ﷺ نے خود مہمات روانہ کیں اور اپنی دعاوں اور نگرانی میں انہیں بھیجا۔ سیدنا خالد بن ولید، سیدنا زبیر اور سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ کو رسول کریم ﷺ نے باقاعدہ یہ کہہ کر شامان رسول کو قتل کرنے کی دعوت دی کہ میرے دشمن سے کون مجھے بچائے گا؟ نامینا صحابی، عمر بن امیہ، عمر فاروق، عمر بن عدی خطی اور ابن قانع وغیرہ کے معاملات آپ کے سامنے آئے اور شتر رسول کی بنا پر آپ نے ان واقعات میں مقتولین کے خون کو نہ صرف رائیگاں قرار دیا بلکہ صحابہ کی تعریف بھی کی۔ پیچھے ذکر کردہ شبہات کے تناظر میں مسئلہ شتر رسول کی شرعی حیثیت بالاختصار ملاحظہ فرمائیے:

① سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس باب میں بالکل صریح اور اصولی ہے۔ امام نسائی نے اپنی سسن نسائی کی کتاب تحریم الدم کے باب حکم فی من سبّ النبی ﷺ میں سیدنا ابو بزرہ اسلامی سے اس واقعہ کو روایت کیا ہے:

قالَ غَضِيبَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى رَجُلٍ غَضِيبًا شَدِيدًا حَتَّى تَغَيَّرَ لَوْنُهُ قُلْتُ:
يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللَّهِ! وَاللَّهُ لَئِنْ أَمْرَتَنِي لَأُصْرِبَنَّ عَنْقَهُ فَكَانَتْ صَبَّ
عَلَيْهِ مَاءً بَارِدًا فَذَهَبَ غَضِيبُهُ عَنِ الرَّجُلِ قَالَ: ثَكَلْتُكَ أُمْكَ أَبْأَ بَرَزَةً
وَإِنَّهَا لَمْ تَكُنْ لِأَحَدٍ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

”ایک بار سیدنا ابو بکر ایک شخص پر انتہائی ناراض ہوئے، حتیٰ کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ میں نے کہا: اے رسول اللہ کے خلیفہ! واللہ اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں اس کی گردن مار دوں۔ [یہ بات سن کر] گویا ان [ابو بکر صدیق] پر ٹھنڈا اپانی بہادریا گیا ہوا اور اس شخص سے آپ کا غصہ جاتا رہا اور فرمائے لگے: ابو بزرہ! حیری میں تجوہ گم پائے، رسول ﷺ کے بعد کسی کی گستاخی پر اس کو قتل کرنے کی سزا نہیں۔“ دوسری روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ یہ بات کہہ کر ابو بزرہ گھر کو چلے گئے۔ سیدنا ابو بکر نے ان کو گھر سے بلا یا اور پوچھا کہ اگر میں تمہیں حکم دیتا تو تم اس کو قتل کر دیتے؟



فَقَالَ لَوْ أَمْرَتَنِي لَفَعَلْتُ قَالَ أَمَا وَاللّٰهُ مَا كَانَتْ لِيَشَرِّ بَعْدَ مُحَمَّدًا
تو ابورزہ نے جواب دیا: بالکل، تب ابو بکر صدیق نے فرمایا: ہرگز نہیں! بخدا
محمد ﷺ کے بعد کسی شخص کیلئے یہ سزا جائز نہیں (کہ اس کی گستاخی پر قتل کر دیا جائے)
② یوں تو اس موضوع پر بہت سے اصولی فیصلے موجود ہیں، جن میں صحیح بخاری میں کعب
بن اشرف یہودی اور ابورافع یہودی کے واقعات قابل ذکر ہیں، تاہم مذکورہ بالا حدیث
میں ایک بار رسول کریم ﷺ کی گستاخی کرنے والے کے لئے بھی یہ سزا اصولی طور پر
بیان ہوئی ہے، اس لئے ہم نے اس کو یہاں ذکر کر دیا ہے۔ کعب بن اشرف کو قتل
کرنے کی وجہ زبانِ رسالت سے یہ بیان ہوئی ہے:

«مَنْ لَكَعْبُ بْنُ الْأَشْرَفِ؟ إِنَّهُ قَدْ آذَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ»
”کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف
واذیت سے دوچار کیا ہے۔“

③ اس مسئلہ پر صحابہ کرام ﷺ کا اجماع ہے کہ شاتم رسول کی سزا قتل ہے۔ جیسا کہ علامہ
ابن قیم الجوزیہ نے اس موضوع پر بڑا مختصر لیکن جامع موقف پیش کیا ہے:
فَهُذَا قَضَاؤهُ وَقَضَاءُ خَلْفَائِهِ مِنْ بَعْدِهِ وَلَا مُخَالِفٌ لَهُمْ مِنْ
الصَّحَابَةِ وَقَدْ أَعْذَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ خَالِفَةِ هَذَا الْحُكْمِ.
وَفِي ذَلِكَ بَضْعَةُ عَشْرَ حَدِيثًا مَا بَيْنَ صَحَاحٍ وَحَسَانٍ وَمَشَاهِيرٍ وَهُوَ
إِجَامُ الصَّحَابَةِ... وَالآثَارُ عَنِ الصَّحَابَةِ بِذَلِكَ كَثِيرٌ وَحَكِيمٌ غَيْرُ
وَاحِدٍ مِنَ الْأئمَّةِ: الإِجَامُ عَلَى قُتْلِهِ، قَالَ شِيخُنَا: وَهُوَ مُحْمُولٌ عَلَى
إِجَامِ الصَّدِرِ الْأَوَّلِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالْتَّابِعِينَ وَالْمَقْصُودُ: إِنَّمَا هُوَ ذَكْرٌ

۱ سنن أبي داود (۴۳۶۲)، سنن النسائي (۴۰۷۳)، ذخيرة العقبى في شرح المجنى: ۳۲، السنن الكبرى للنسائي (۳۵۲۰ تا ۳۵۲۶)، مسنند أحمد (۵۴) ۴۴۸-۴۴۶، المستدرك (۴: ۳۵۴)، كتاب المختار (۲۶۲۰ تا ۲۶۲۶)، مسنند أبي بكر الصديق للمرزوقي (۶۶، ۶۷)، مسنند أبي يعلى (۷۴-۷۷)، وفي نسخة (۸۱، ۸۲)، مسنند أبي داود الطيلسى (۴)، مستدل التزار (۴۹)، تهذيب الكمال (۱۵/۴۴۳)، مسنند حبیدی (۶) لام حکم نے اسے تینخیں کی شرط پر تحقیق کیا اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

۲ صحيح البخاري (۴۰۳۷، ۴۰۳۸)، صحيح مسلم (۱۸۰۱)، سنن أبي داود (۲۷۶۸)، السنن الكبرى للبيهقي: ۷/ ۹۰، ۸۱، ۹۰، شرح السنة للبغوي: ۱۱/ ۴۳، المستدرک للحاکم (۴۳۴/ ۳)، (۵۸۴۱) ۲۶۹۲



حکم النبی ﷺ و قضائے فیمن سبہ۔

واما تركه ﷺ قتل من قدح في عدلہ ﷺ بقوله: "اعدل فإنك لم تعدل" وفي حکمہ ﷺ بقول: "أن كان ابن عمتك". وفي قصده ﷺ بقوله: "إن هذه قسمة ما أريد بها وجه الله" أو في حکومته ﷺ بقوله: "يقولون إنك تنہی عن الغی و تستحیی به فذلك أن الحق له فله أن يستوفیه وله أن يتركه وليس لأمته ترك استیفاء حقه ﷺ". وأیضاً فإن كان هذا في أول الأمر حيث كان ﷺ ماموراً بالغفران والصفح وأیضاً فإنه كان يعفو عن حقه لصلاحة التاليف وجمع الكلمة ولئلا ینفّر الناس عنه ولئلا یتحدثوا أنه یقتل أصحابه وكل هذا یختص بحیاته ﷺ.

"نبی کریم ﷺ اور آپ کے بعد خلفاء راشدین ﷺ کا بھی فیصلہ ہے جس کا صحابہ کرام میں سے کوئی بھی مخالف نہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس حکم کی مخالفت سے بچا کر رکھا۔ اس ضمن میں دس سے اوپر احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں جن میں صحیح، حسن اور مشہور احادیث شامل ہیں اور اس مسئلہ پر اجماع صحابہ کرام ﷺ ہے۔ اس باب میں صحابہ کرام سے مردی آثار تو بہت زیادہ ہیں اور ایک سے زائد ائمہ اسلاف سے شام کے سزاۓ قتل پر اجماع کی صراحت بھی منقول ہے۔ ہمارے استاد شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ سب امور صدر اوقل میں صحابہ کرام اور تابعین کے اجماع پر دلالت کرتے ہیں۔

ہمارا یہاں آپ کو سبتو شتم کرنے والے بدجنت کے لئے آپ ﷺ کا حکم اور فیصلہ کو بیان کرنا ہی مقصود ہے۔ جہاں تک آپ ﷺ کا اس بدجنت کو چھوڑ دینا ہے جس نے آپ کے وصفِ عدل میں یہ کہہ کر الزام تراشی کی تھی کہ "آپ ﷺ انصاف فرمائیے، آپ نے انصاف نہیں کیا۔" اور جس نے آپ کے فیصلہ میں یہ کہہ کر بدعت مدی ظاہر کی تھی کہ "یہ اس لئے آپ نے کیا ہے کہ وہ آپ کی بھوپگھی کا بیٹا ہے، اس لئے آپ کا فیصلہ اس کے حق میں ہے]" اور جس نے آپ کے ارادہ میں یہ کہہ کر عیب جوئی کی تھی کہ "آپ ﷺ نے اس تقسیم کے ذریعے اللہ کی رضا پوری نہیں کی۔" اور جس نے آپ کی خلوت پر یوں طعنہ طرازی کی تھی کہ "آپ تو مگر اسی سے روکتے ہیں لیکن خود اس کو گوارا کرتے ہیں۔" تو ان گستاخیوں کو نظر انداز کرنے



کا سبب یہ تھا کہ اپنی توہین کو معاف کر دینا آپ کا ہی حق تھا، آپ چاہتے تو اس کا پورا بدلہ لیتے اور چاہتے تو اسے چھوڑ دیتے، تاہم آپ کی امت کے لئے آپ کے حق کی تتمیل چھوڑنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ مزید برآں اس جیسے واقعات اولین دور کے ہیں جب آپ ﷺ معاون اور درگزر کرنے کا حکم دیے گئے تھے۔ اس وقت آپ تایفِ قلب، مگر اسلام کو مجتمع رکھنے اور لوگوں کے تغیر ہو جانے کے ڈر سے معاونی کا راستہ اختیار کیا کرتے اور اس لئے بھی کہ دشمن یہ نہ کہتے پھریں کہ آپ تو اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ الغرض شتم رسول پر تمام قسم کی معافیاں آپ کی حیات طیبہ سے ہی مخصوص ہیں۔“

اس بناء پر شاتم رسول کے لئے قرآن و حدیث میں سزا موت ایک مقرر سزا کے طور پر بیان ہوئی ہے۔ اس مسئلہ پر صحابہ سے لے کر آج تک اجماع امت چلا آتا ہے، اور واضح ہے کہ اجماع کی ان عبارتوں میں کہیں اس سزا کے لئے تحرار و غیرہ کی شرط کا کوئی تذکرہ نہیں اور نہ ہی کوئی ملکی پھلکی سزا میں پیش کی گئی ہیں۔

کیا اس کو سب سے پہلے امام ابن تیمیہ نے حد قرار دیا؟

۳۱

مضمون نگار کا دعویٰ ہے کہ آٹھویں صدی میں علامہ ابن تیمیہ نے سب سے پہلے شتم رسول کو حد قرار دے کر تعبیر کی غلطی کو بنیاد فراہم کی۔ مزید برآں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شاتم رسول کی مقررہ سزا نہ ہونے پر امت اسلامیہ میں اتفاق ہے۔ ان کے یہ دونوں دعوے سراسر غلط ہیں۔ کیونکہ

① خیر القرون میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کا اس جرم کی سزا کے قتل ہونے پر اجماع ہو چکا تھا، جیسا کہ حافظ ابن قیم اور حنفی عالم مولانا یوسف لدھیانوی کے ذریعے اس کی صراحة پیچھے گزر چکی ہے۔ اجماع صحابہ ﷺ کی یہ صراحة امام ابن تیمیہ، قاضی ابن عابدین شافعی اور قاضی عیاض نے بھی کی ہے۔ قاضی عیاض (متوفی: ۵۸۲ھ) لکھتے ہیں:

است 2011

اعلم - وفقنا اللہ و إياك - أن جمیع من سب النبي ﷺ، أو عابه، أو ألحق به نقصاً في نفسه، أو نسبة، أو دینه، أو خصلة من خصائصه، أو عرض به، أو شبّهه بشيء على طريق السب له، أو الإزارء

۱ قاضی شافعی اور ابن تیمیہ کی اجماع صحابہ پر دال عبارت میں آگے بالترتیب نمبر ۱۰ اور ۱۳ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔



عليه، أو التصغير لشأنه، أو الغض منه، والعيب له، فهو ساب له، والحكم فيه حكم الساب، وكذلك من لعنه، أو دعا عليه، أو تمنى مضره له، أو نسب إليه ما لا يليق على طريق الذم، أو عبث في جهته العزيزة بسخف من الكلام وهجر، ومنكر من القول وزور، أو غيره بشيء مما جرى من البلاء والمحنة عليه، أو غمضه بعض العوارض البشرية الجائرة والمعهودة لديه، وهذا كله إجماع من الصحابة وأئمة الفتوی من لدن الصحابة رضوان الله عليهم إلى هلم جراً... ولا نعلم خلافاً في استباحة دمه - يعني ساب الرسول ﷺ - بين علماء الأمصار وسلف الأمة، وقد ذكر غير واحد الإجماع على قتلهم وتکفیره

”جان بیجھے اللہ مجھے اور آپ کو توفیق دے کہ ہروہ بد بخت جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے، عیب جوئی کرے، آپ کی ذات مبارکہ سے کوئی نقص مسلک کرے، یا آپ کے نسب شریف میں، یا آپ کے دین میں یا آپ کی کسی عادت مبارکہ میں، یا ان چیزوں کو پیش کرے، یا آپ کو ان میں سے کسی سے ازراه گستاخی تشییہ دے یا آپ کی تحقیر کرے، یا آپ کے مقام کو کم کرے یا گرانے، یا ان میں کوئی عیب لگائے تو وہ آپ کا گستاخ ہے۔ اس کی سزا گستاخ کی سزا ہے۔ اس میں وہ بد بخت بھی شامل ہے جو آپ ﷺ پر لعنت کرے، آپ کو بد دعا دے یا آپ کو نقصان پہنچنے کی دعا کرے، یا ازراه مذمت شانِ مبارکہ کی طرف غیر مناسب چیز منسوب کرے یا مقام مقدس کی طرف بلکی بات یا غلط اور جھوٹی بات منسوب کرے۔ یاد ہوت دین کے سلسلے میں جو مشقتیں آپ کو برداشت کرنا پڑیں ان سے آپ کی شرمندگی کا سامان پیدا کرے، یا بعض بشری ممکنہ عوارض کی بنا پر آپ شان میں کمی کرے۔ ایسے شاتم کے خون کے مباح ہونے میں ہمارے علم کے مطابق کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ جملہ صحابہ اور فتویٰ کے ائمہ کا ان کے کفر اور قتل پر آج تک اجماع چلا آرہا ہے۔“

آگے لکھتے ہیں: ”ایسے بد بخت یعنی شاتم رسول کے خون حلال ہونے میں دور حاضر



کے علماء اور اسلاف امت میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اور ایک سے زائد ائمہ نے اس شاتم کے قتل اور کافر ہو جانے پر اجماع کا تذکرہ کیا ہے۔^۱

(۲) مزید برآں آں علامہ ابن المنذر (متوفی ۳۱۹ھ)^۲ نے تیسرا صدی ہجری میں اس کے حد ہونے پر امتِ اسلامیہ کا اجماع نقل کیا ہے:

أَجْمَعَ عَوَامُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى أَنْ حَدَّ مِنْ سَبِّ النَّبِيِّ ﷺ الْقَتْلُ وَمَنْ قَالَهُ مَالِكٌ وَاللَّيْثٌ وَأَحْمَدٌ وَإِسْحَاقٌ وَهُوَ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ^۳
”اہل علم کا اجماع ہے کہ جو آدمی نبی ﷺ کو گالی دیتا ہے، اس کی حد قتل کرنا ہے۔ اور اسی بات کو امام مالک، امام لیث، امام احمد، امام الحنفی نے بھی اختیار فرمایا ہے اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔“

(۳) بلادِ مغرب کے نامور فقیہ محمد بن سخون ماکی (متوفی ۲۶۵ھ)^۴ لکھتے ہیں:

أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنْ شَاتِمَ النَّبِيِّ ﷺ وَالْمُتَنَقْصُ لَهُ كَافِرٌ وَالْوَعِيدُ جَاءَ عَلَيْهِ بِعْذَابٍ لِهُ وَحْكَمَهُ عِنْدَ الْأُمَّةِ الْقَتْلُ وَمَنْ شَكَ فِي كُفْرِهِ وَعِذَابِهِ كَفَرٌ

”علماء کا اس پر اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ کا شاتم اور نقص گوئی کرنے والا کافر ہے۔ اور اس پر اللہ کے عذاب کی وعید آتی ہے۔ امت کے ہاں اس کی سزا قتل ہے۔ جو شخص بھی اس کے کفر و عذاب میں شک کرے، وہ کافر ہو جاتا ہے۔“

(۴) امام الحنفی بن راہویہ (متوفی ۲۳۸ھ)^۵ نے بھی اسی پر اجماع نقل کیا ہے:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنْ مِنْ سَبِّ اللَّهِ أَوْ سَبِّ رَسُولِهِ ﷺ أَوْ دُفْعَ شَيْئًا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهِ عِزًّا وَجَلًّا أَوْ قَتْلُ نَبِيٍّ مِنْ أَنْبِيَاءِ اللَّهِ بِعِزْ وَجَلٍّ أَنَّهُ كَافِرٌ بِذَلِكَ^۶

”مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا گستاخ، یا اللہ کی

۱ الصارم المسلول: ج ۳، طبع نشرالله، ملائن؛ الادریف علی مذاہب اہل العلم اذ ابن المنذر: ۳۱۹، طبع دار الفکر

۲ نہایۃ السؤل فی خصائص الرسول: ج ۲۱، مکوہ الہیف المطلوب از بکی اور الصارم المسلول: ۹۱؛ ... یاد رہے کہ امام محمد بن سخون کی اسی عبارت کو مولانا انور شاہ کشمیری نے اپنے موقف کے بیان کے لئے پسند کیا ہے، جیسا کہ آگے ان کا موقف آرہا ہے۔

۳ التہبید لابن عبد البر: ۲۲۶/۳، الصارم المسلول ج ۳۲



نازل کردہ شے کو رد کرنے والا، یا انبیاء اللہ سے کسی نبی کو قتل کا ارتکاب کرنے والا اس فعل پر کافر ہو جاتا ہے۔“

⑤ قاضی حسین شافعی نے امام ابو بکر فارسی سے نقل کیا ہے:

اجمعت الأمة على أن من سب النبي يقتل حداً

”اس پر اجماع امت ہے کہ نبی ﷺ کا شتم و گستاخ حد کے طور پر قتل کر دیا جائے“

اسی بات کو صحیح بخاری کی شرح الباری میں حافظ ابن حجر نے یوں لکھا ہے:
ونقل أبو بكر الفارسي أحد أئمه الشافعية في كتاب الإجماع: أن
من سب النبي ﷺ ما هو قذف صريح كفر باتفاق العلماء، ولو
تاب لم يسقط عنه القتل؛ لأن حد قذفة القتل، وحد القذف
لا يسقط بالتوبة ... فقال الخطابي لا أعلم خلافاً في وجوب قتله

إذا كان مسلماً

”ائمه شافعیہ میں سے امام ابو بکر نے کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جس نے
نبی ﷺ کو گالی دی جس سے صریح تہمت ظاہر ہوئی تھی تو ایسا شخص اجماع علماء کی
روے کافر قرار پائے گا۔ اگر توبہ بھی کر لے تو اس سے قتل ساقط نہیں ہو گا۔
کیونکہ اس کی اس تہمت کی حد قتل ہے۔ اور تہمت یعنی قذف کی حد توبہ سے ساقط
نہیں ہوتی۔ خطابی فرماتے ہیں: اگر وہ مسلم ہے تو اس کے واجب القتل ہونے میں
مجھے کوئی مخالف نظر نہیں آیا۔“

⑥ امام خطابی (متوفی: ۳۸۸ھ) کے حوالے سے اجماع کا دعویٰ صاحب فتح الباری نے بھی کیا
ہے، جب کہ امام خطابی کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

ان السب منه الرسول الله ﷺ ارتداد عن الدين ولا أعلم أحداً
من المسلمين اختلفوا في وجوب قتله^۱

”نبی کریم ﷺ کو دشام طرازی کرنا دین سے ارتداد ہے۔ اور میں مسلمانوں میں
سے کسی کو نہیں جانتا جس نے اس کے واجب القتل ہونے پر اختلاف کیا ہو۔“



۱ اسلام اور حرام نبوت، از مقتبی محمد خاں قادری (اردو ترجمہ السیف المسول امام تکی): ص ۹۶

۲ فتح الباری: ۲۸۱/۱۲:

۳ معالم السنن: ۴۹۲/۳

⑦ امام ابن حزم انڈی (۵۲۵ھ) لکھتے ہیں:

وَمَنْ أَوْجَبَ شَيْئًا مِنَ النَّكَالِ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَوْ وَصْفِهِ، وَقَطَعَ عَلَيْهِ بِالْفَسْقِ، أَوْ بِعِرْجَحِهِ فِي شَهَادَتِهِ فَهُوَ كَافِرٌ مُشْرِكٌ مُرْتَدٌ كَالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى حَلَالُ الدَّمِ وَالْمَالِ، بِلَا خَلَافٍ مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ^۱

”جس بد بخت نے نبی کریم ﷺ کی رسوائی کا ارتکاب کیا یا آپ کو اس سے منسوب کیا اور آپ پر فتن کا الزام لگایا یا آپ کی شہادت رسالت میں زیادتی کی تو یہود و نصاریٰ کی طرح وہ کافروں مشرک مرتد ہے، اس کمال و خون حلال ہے۔ اس بارے میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔“

⑧ قاضی عیاض (متوفی: ۵۲۳ھ) بھی اس پر اجماع کا تذکرہ کرتے ہیں:

أَجَعَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى قَتْلِ مُنْتَقَصِهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَسَابِهِ^۲
”امت کا نبی کریم کی تنقیص کرنے والے اور شاتم کو قتل کرنے پر اجماع ہے۔“

⑨ امام تقی الدین علی بنکی شافعی (۵۶۷ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ ذَكَرْتُ فِي كِتَابِي الْمُسْمَى بِالسِّيفِ الْمُسْلُولِ أَنَّ الضَّابْطَ أَنَّ مَا قَصَدَ بِهِ أَذْى النَّبِيِّ ﷺ فَهُوَ مُوجَبٌ لِلْقَتْلِ كَعَبَدِ اللّٰهِ بْنَ أَبِي وَمَا لَمْ يَقَصِدْ بِهِ أَذْى النَّبِيِّ ﷺ لَا يَوْجِبُ الْقَتْلَ كَمُسْطَحٍ وَحْمَنَةً。 أَمَا سَبِّ النَّبِيِّ ﷺ فَالإِجْمَاعُ مُنْعَقَدٌ عَلٰى أَنَّهُ كُفُرٌ وَالْأَسْتَهْزَاءُ بِهِ كُفُرٌ

”میں نے اپنی کتاب ”السیف السلول“ میں یہ اصول پیش کیا ہے کہ جو شخص کسی فعل سے نبی کریم ﷺ کو اذیت دینا چاہتا ہو تو ایسا بد بخت واجب القتل ہے، جیسا کہ عبد اللہ بن ابی تھا اور جس شخص کا یہ ارادہ نہ ہو تو اس صورت میں اس کی سزا قتل نہیں ہو گی جیسا کہ مسطح اور حمنہ کا معاملہ ہے [جنہوں نے سیدہ عائشہ پر افک میں شرکت کی تھی] جہاں تک شتم رسول کی بات ہے تو اس فعل کے کفر ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور آپ ﷺ کا تمسخر اڑانا بھی کفر ہی ہے۔“

۱ الحجی از ابن حزم: ۲۳۰/۲

۲ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ص ۶۵، الصارم المسلط: ۹/۱

۳ فتاویٰ بنکی: ۵۷۳/۲



اس عبارت میں امام موصوف نے بیان اجماع کے ساتھ ساتھ نیت و ارادہ گستاخی پر ایک اصول بھی پیش کیا ہے جو قابل توجہ ہے، اسکی مزید تفصیل آگے علامہ ابن تیمیہ کے قول میں ⑩ قاضی ابن عابدین شافعی حفظہ لکھتے ہیں:

فعلم أن المراد من نقل الإجماع على قتلها قبل التوبة ثم قال وبمثله
قال أبو حنيفة وأصحابه

”اگر کسی نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی تو توبہ سے پہلے اس کو قتل کرنے پر اجماع ہے۔ یہی نظریہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔“
ایک اور مقام پر صحابہ کے اجماع کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهذه نقول معتقدة بدليلها وهو الإجماع، ولا عبرة بما أشار إليه
ابن حزم الظاهري من الخلاف في تكبير المستخلف به، فإنه شيء
لا يعرف لأحد من العلماء، ومن استقرأ سير الصحابة تتحقق
إجماعهم على ذلك، فإنه نقل عنهم في قضايا مختلفة منتشرة
يستفيض نقلها ولم ينكره أحد، وما حكي عن بعض الفقهاء من
أنه إذا لم يستحل لا يكفر زلة عظيمة، وخطأ عظيم لا يثبت عن
أحد من العلماء المعتبرين، ولا يقوم عليه دليل صحيح، فاما
الدليل على كفره فالكتاب والسنة والإجماع والقياس

”جو ہم کہہ رہے ہیں، اس کا اعتماد و انحصار اجماع پر ہے۔ اور اس اجماع کو ابن حزم ظاہری کا یہ کہنا متأثر نہیں کرتا جہاں انہوں نے آپ ﷺ کا استخفاف کرنے والے کی تکفیر پر اختلاف کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ وہ شے ہے جس کو علمائیں سے کوئی بھی نہیں جانتا۔ اور جس نے صحابہ کے حالات کا مطالعہ کیا ہے، اس پر ان کا اجماع واضح ہے۔ یہ چیزان کے مختلف فیصلوں میں منقول و مشہور ہے جس کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ اور بعض فقہاء سے جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ یہ کام حلال سمجھ کر نہ کرے تو کافر نہیں ہو گا، یہ بہت بڑی لغزش اور غلطی ہے جو معتبر علمائیں سے کسی سے ثابت نہیں



ہے۔ اور اس پر کوئی صحیح دلیل بھی قائم نہیں ہے۔ ایسے بدجنت کے کفر پر کتاب و سنت اور اجماع و قیاس واضح دلیل ہیں۔“^۱

(۱۱) فقہ حنفی کی ممتاز شخصیت امام سرخسی نے بھی شاتم رسول کے قتل پر اجماع نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ کہیں بھی ہو، اسے قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔^۲

(۱۲) مضمون نگار کا یہ دعویٰ کہ کسی محدث نے توہین رسالت کو حد قرار نہیں دیا، بھی درست نہیں۔ اس سلسلے میں بطور مثال امام نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) کی سنن نسائی کو پیش کیا جا سکتا ہے جہاں انہوں نے تحريم الدم کے نام سے کتاب کا عنوان قائم کر کے، اس میں ان جرائم کا تذکرہ کیا ہے جن سے خون کی حرمت ختم ہو کر، متعلقہ مجرم کا خون مباح ہو جاتا ہے۔ اس کتاب کے تحت انہوں نے باب حکم من سب رسول اللہ کی احادیث بیان کیں۔ اسی کتاب کے تحت آپ سب و شتم سے قبل مغاربہ کی احادیث بھی لائے ہیں اور بعد میں ساحر و جادو گر کے قتل کی احادیث کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱۳) شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

وأما إجماع الصحابة فلأن ذلك نقل عنهم في قضايا متعددة يتشر مثلها ويستفيض، ولم ينكرها أحد منهم فصارت إجماعاً

”جہاں تک اجماع صحابہ کی بات ہے تو وہ یوں کہ صحابہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں بہت سے فضیلے منقول ہیں جو مشہور و معروف ہیں۔ صحابہ میں سے کسی نے اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا، اس بنا پر اس مسئلہ میں اجماع صحابہ ہے۔“

قد اتفقت نصوص العلماء من جميع الطوائف على أن التنقص له كفر مبيح للدم ... ولا فرق في ذلك بين أن يقصد عيه لكن المقصود شيء آخر حصل السب تبعاً له، أو لا يقصد شيئاً من ذلك، بل يهزل ويمزج، أو يفعل غير ذلك^۳

”تمام گروہوں کے علمائی عبارات کی مراد اس پر متفق ہے کہ نبی کریم کی تنقیص کفر اور خون کو حلال کرنے والی ہے۔ اس میں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ

۱ ناموس رسول اور قانون توہین رسالت: ص ۱۸۵

۲ الصارم المسلول علی من سب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم: ص ۳۷۴ اپ اختصار

۳ الصارم المسلول: ص ۳۶۵... اخصار کے لئے دیکھیں: ص ۱۹۵





آپ کی عیب جوئی کا ارادہ کرے لیکن مراد دوسری چیز لے، اور اس سے تبعاً گستاخی لازم آجائے یا وہ ایسا ارادہ نہ کرے بلکہ مذاق میں ایسا کرے یا اس کے علاوہ مقصد کچھ اور ہو۔“

مضمون نگار کا علامہ ابن تیمیہ کو اس ضمن میں پہلا شخص قرار دینا سراسر غلط ہے کیونکہ اول تو ششم رسول کی سزا سے موت ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ ثانیاً، امام ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) سے کئی سورس قبل علامہ ابن المنذر (متوفی ۱۹۳ھ) توہین رسالت کی مقررہ سزا پر نہ صرف اجماع کا دعویٰ کرچکے ہیں بلکہ اسی موقف کو انہوں نے امام مالک، احمد، لیث، الحنفی، اور امام شافعی کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔ اور جتنے بھی علماء اس موضوع پر اجتہد کا دعویٰ کیا ہے، وہ سب ہی امام ابن تیمیہ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ جبکہ امام ابن تیمیہ کے بعد اس مسئلہ پر اجماع کا دعویٰ کرنے والے امام بکی اور حنفی علماء کرام میں سے قاضی ابن عابدین شامی، امام سرخسی، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا عبد الملک کاندھلوی، مولانا یوسف لدھیانوی اور مولانا رفیع عثمانی قابل ذکر ہیں جن میں بعض کے حوالے آگے آرہے ہیں۔

(۲۴) علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی لکھتے ہیں:

و لا خلاف بين المسلمين أن من قصد النبي ﷺ بذلك فهو من يتحل الإسلام أنه مرتد فهو يستحق القتل
”تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ جس شخص نے نبی کریم ﷺ کی اہانت اور ایذا رسانی کا قصد کیا، وہ مسلمان کہلاتا ہو تو بھی وہ مرتد اور مستحق قتل ہے۔“
ذکر وہ ائمہ کرام نے مختلف کتب میں توہین رسالت کی سزا قتل ہونے پر اجماع امت کی صراحت کی ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ اس میں تکرار یا عدم تکرار وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں ہے اور یہی امتِ اسلامیہ کا اجماعی موقف ہے۔ پھر یہ کہنا کہ مسلمانوں میں سے

۱ نامور فقیر و مجتهد علامہ ابن المنذر اجماع کے مستند بیان میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ ان کا اس کو حد قرار دینا بہت سی کتب میں بیان ہوا ہے جن میں سے علامہ ابن تیمیہ کی بیان کردہ عبارت کو ہم نے ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے ہی سب سے پہلے حنفی موقف کو پورے شرح بسط سے پیش کیا اور حنفی موقف کے بیان کے مسئلے میں حنفی فقہاء انہی پر اعتماد کرتے ہیں جیسا کہ قاضی ابن عابدین لکھتے ہیں: وقوله: وإن أسلم بعد أخذته، لم أو من صرخ به عندنا، لكنه نقله عن مذهبنا وهو ثابت فيقبل (رضا المحتر على الدليل المختار: ۲۳۳، ۲/۳)

کوئی اس کی مقررہ سزا بیان نہیں کرتا اور یہ آٹھویں صدی میں امام ابن تیمیہ کی غلطی کا نتیجہ ہے، سراہرے اصل اور غلط دعویٰ ہے۔

توہین رسالت پر اجماع کے اس بیان میں دو باتیں قابل توجہ ہیں:

اول، تو ان میں کسی مقام پر کمتر سزا کا تذکرہ موجود نہیں اور ان میں بعض فقهاء نے مباح الدم یعنی اس کے خون حلال ہونے کا جو اسلوب بیان اختیار کیا ہے، وہ اس کے واجب قتل ہونے کی سزا کو ہی بیان کرتا ہے، جیسا کہ اس کی صراحة بعض دیگر فقهاء نے واجب القتل کے الفاظ سے بھی کی ہے، دیکھئے نمبر ۳، ۵، ۲۱، ۸۷ اور ۱۱۰ اور بعض عبارتوں میں اس پر 'حد' کا لفظ بھی بولا گیا ہے جیسے نمبر ۲ اور ۱۳ اور آگے آنے والے بہت سے اقوال۔

اس صراحة سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایسے جرم کی سزا یہ ہے کہ اس کو قتل کی سزا دینا واجب ہے۔ اجماع کی یہ عبارات بتائی ہیں کہ توہین رسالت کی شریعتِ اسلامیہ میں مقررہ سزا یعنی حد ہونے پر امت مسلمہ میں اتفاق پایا جاتا ہے۔

دوم، متعدد مستند علماء کی زبانی امت کے اجماع کے دعوے سے پتہ چلا کہ فقهاء احتاف بھی اس اجماع میں شامل ہیں اور توہین رسالت کی مقررہ سزا ہونا ہی ان کے ہاں اصل اور قدیمی موقف ہے، وگرنہ اجماع کا تقاضا ہی پورا نہیں ہوتا؟ بالخصوص کسی مسلمان شامن پر سزاے قتل واجب ہونے کے بارے میں اجماع کی یہ عبارات احتاف کے موقف پر صریح دلیل ہیں۔ یہی اصل مسئلہ ہے اور اس باب میں دیگر خفی جزئیات استثنائی حیثیت رکھتی ہیں۔

﴿فقہ خفی میں توہین رسالت کی سزاے قتل﴾

جهاں تک علماء احتاف کے موقف کی بات ہے تو ان میں بھی اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ توہین رسالت کی سزا قتل ہی ہے۔ ان میں یہ اختلاف تو ہے کہ شامن رسول کی سزا بطور حد قتل ہے یا یہ جرم حد ارتداد کو مسئلزرم ہونے کی بنابر مستوجب قتل ہے۔ یعنی جرم کی تعبیر و توجیہ میں اختلاف موجود ہے لیکن جرم کی سزا میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس بنابر یہ کہنا کہ علماء احتاف کے ہاں اس کی سزا موت نہیں بلکہ تعریری ہے، درست نہیں۔ 'حد' کی تعریف فقہ خفی کی مستند کتاب کنز الدقائق کی شرح الحمر الرائق میں یوں ہے کہ



حقیقت کے نام پر غادیت کی ترجیحی!

مکاتب

مکاتب

الْحُدُودُ عَقُوبَةٌ مُقَدَّرَةٌ لِلَّهِ تَعَالَى بَيَانٌ لِمَعْنَاهُ شَرْعًا فَخَرَجَ التَّعْزِيزُ لِعَدَمِ
التَّقْدِيرِ

”حدوہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہے۔ یہ اس کے شرعی معنی کی
وضاحت ہے۔ طے شدہ سزانہ ہونے کی بنابر تحریر اس سے نکل گئی۔“
اب دیکھئے کہ کیا معتمد حنفی علمانے توہین رسالت کی مقرر سزا کو بیان کیا ہے؟ یا اس کو
مسلمان حاکم کی صوابید پر چھوڑ دیا ہے، خط کشیدہ الفاظ ملاحظہ فرمائیے:
① نامور حنفی عالم علامہ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

أجمع المسلمين على أن شاتقه عليه السلام كافر ومن شك في عذابه وكفره
كفر... أجمع عوام أهل العلم على أن من سب النبي صلوات الله عليه وسلم يقتل...
”ملت اسلامیہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ نبی کریم صلوات الله عليه وسلم کا گستاخ کافر ہے۔ اور جو اس
کی سزا یا کافر ہونے میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے۔ اور اہل علم کا اس پر بھی اجماع
ہے کہ نبی کریم کو سب و شتم کرنے والے کو قتل کیا جائے گا۔“

② پاکستان کے مشہور حنفی عالم مولانا رفیع عثمانی احتفاظ کا موقف یوں بیان کرتے ہیں:
”یہ مسئلہ تو اتفاقی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شخص آں حضرت صلوات الله عليه وسلم کی شان میں
گستاخی کرے اور توہین رسالت کا مرتكب ہو جائے تو اس سے وہ کافر اور دائرہ اسلام
سے خارج ہو جائے گا، اور جرم ثابت ہونے پر اس کو قتل کیا جائے گا۔ یہ شق اجتماعی
ہے اور اس کے دلائل نہایت واضح ہیں۔ اور خود یہ مکمل آں حضرت صلوات الله عليه وسلم کے
عمل سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں کئی ایسے بدجھتوں کو موت کی
سزا دی جن کے قصے کتب حدیث اور سیرت میں مشہور ہیں۔“

شتم رسول کی سزا کے قتل ہونے پر مولانا عبد الملک کاندھلوی اور مولانا محمد یوسف
لدھیانوی کے اقتباسات بھی انہی صفحات^۱ میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں جن میں مولانا
کاندھلوی نے اس کی سزا موت بیان کرتے ہوئے اسے اجماع امت اور اجماع ائمہ قرار دیا

۳۰



اگسٹ
2011

۱۔ الجبراائق: ۱/۱۳

۲۔ إكفار الملحدين مل ۵۲، ۴۲

۳۔ مجلہ الشریعہ، گوجرانوالہ... شمارہ جون ۲۰۱۱ء: عص ۱۸

۴۔ شمارہ ہذا دیکھئے صفحہ نمبر ۱۹، ۱۸

ہے۔ پھر مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے توہین رسالت کی سزا کے قتل ہونے پر صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم کا اجماع بھی نقل کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ احتاف کے ہاں نہ تو اس جرم کی سزا کے قتل ہونے میں اختلاف ہے اور نہ ہی جرم کی تکرار یا کمی بیشی کے لحاظ سے ان کے ہاں اس کی سزا میں کوئی فرق پیش نظر رکھا گیا ہے۔ یہ بات احتاف پر ایک الزام ہے کہ وہ اسے ایک تزیر کھھتے ہیں یا چھوٹی موٹی سزاوں سے شاتم کی تادیب کار جان رکھتے ہیں۔

۳ سنن نسائی کے شارح علامہ ابو طیب سندھی حفظہ ہیں:

و حکم الساب يقتل

”نَبِيٌّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ كُوْدَشَامَ طَرَازِيٍّ كَرِنْيَاوَالَّيْ كَسِرَايِيْهِ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔“

۴ اس باب میں فقه حفظی کی مستند ترین عبارت درج ذیل ہے:

قال أبو يوسف: وأيما رجل مسلم سب رسول الله ﷺ أو كذبه أو عابه أو تنقصه فقد كفر بالله تعالى و بانت منه أمرأته فإن تاب وإلا قتل وكذلك المرأة إلا أن أبا حنيفة قال: لا تقتل المرأة و تخبر على الإسلام

”قاضی ابو یوسف کہتے ہیں کہ کوئی بھی مسلمان جو رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرے، یا ان کی تکذیب و تنقیص کرے، یا ان کی عیب جوئی کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا اور اس کی بیوی طلاق یافتہ ہو گئی۔ اگر وہ توبہ کرے تو درست و گرنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ یہی حکم عورت کا ہے، تاہم امام ابو حنیفہ کا کہنا ہے کہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا اور اسے اسلام کی طرف آنے پر مجبور کیا جائے گا۔“

۵ علمائے احتاف میں خاقانہ المحققین کے لقب سے یاد کئے جانے والے علامہ ابن ہمام حفظی (متوفی ۸۲۱ھ) لکھتے ہیں:

كل من أغرض رسول ﷺ بقلبه كان مرتدًا، فالسباب بطريق أول ثم يقتل حدًّا عندنا فلا تعمل توبته في إسقاط القتل. قالوا هذا مذهب أهل الكوفة ومالك ونقل عن أبي بكر الصديق رضي الله

عنه ولا فرق بين أن يحيىء تائباً من نفسه أو شهد عليه بذلك بخلاف غيره من المكرفات فإن الإنكار فيها توبة فلا تعمل الشهادة معه حتى قالوا يقتل وإن سب سكران ولا يعفي عنه "جس شخص نے بھی رسول اللہ ﷺ سے دلی طور پر بغض رکھا، وہ مرتد ہو جاتا ہے تو گالی دینے والا تو بالا دلی مرتد ہو گا۔ اور پھر ایسا شخص ہمارے نزدیک بطور حد قتل کیا جائے گا اور سزاۓ قتل کے بارے میں اس کی کوئی توبہ قبول نہیں ہو گی۔ انہوں نے کہا کہ اہل کوفہ اور امام مالک کا یہی مذہب ہے اور سیدنا ابو بکر صدیق والی حدیث سے یہی پتہ چلتا ہے۔ اور اس امر میں کوئی فرق نہیں کہ وہ خود توبہ کر کے آئے یا اس کے خلاف کسی دوسرے نے گواہی دی ہو برخلاف دیگر کفریہ اعمال کے کیونکہ ان کا انکار کر دینا ہی توبہ ہے، اس میں دوبارہ گواہی کا بھی کوئی اعتبار نہیں حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک کہا ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے گا، اگرچہ نشہ کی حالت میں گالی دی ہو، اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔"

④ قاضی ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ

"اس بات پر فقہہا کا اجماع ہے کہ اگر مسلمان کھلانے والا شخص رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اور اس فعل سے توبہ نہ کرے تو اس کی سزا بطور حد موت ہے۔"

⑤ اسی طرح نامور حنفی فقہاء میں سے امام کردوری عرف اہن براز، امام خیر الدین رملی اور مولی خسرو وغیرہ نے بھی توہین رسالت کی سزاۓ قتل کو حد قرار دیا ہے، جیسا کہ اس کے تفصیلی حوالے مجلہ ہذا کے صفحہ نمبر ۸۱، ۸۲ میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

⑥ غیر حنفی فقہاء میں محمد بن سخون مالکی (متوفی ۴۶۵ھ) نے بھی توہین رسالت کی سزاۓ قتل ہونے کو حد قرار دیا ہے اور قاضی عیاض (متوفی ۵۲۲ھ) نے جمہور فقہاء، ائمہ اسلاف، امام مالک اور ان کے تبعین کا یہ موقف بتایا ہے:

مذهب مالک وأصحابه وقول السلف وجمهور العلماء قتلہ حدًا
مذکورہ بالاقتباسات میں سے پہلے چار میں علی الاطلاق شاتم رسول کی سزا قتل قرار دی



گئی ہے اور اس کی کوئی فقہی توجیہ نہیں کی گئی جبکہ آخری چار اقتباسات میں اس جرم کو براہ راست حد (مقررہ سزا والا جرم) بتایا گیا ہے۔ دراصل اس جرم کو براہ راست حد بنانے یا حد ارتدا د کو لازم ہونے سے الگے مسائل مثلاً ذمی کے لئے سزا کے تعین اور توبہ کی قبولیت وغیرہ کے بارے میں فرق پیدا ہوتا ہے، اس بنا پر فقہا کے مابین جرم بذکی کی تعلیل و توجیہ میں تو اختلاف ہے، تاہم اس فرق کی بنا پر مسلمان شامت کے لئے سزا کے قتل میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ جبکہ علماء احناف میں ایسے فقہا بھی ہیں جنہوں نے اس جرم کو ارتدا ہونے کی بنا پر سزا موت کے قابل بتایا ہے:

⑨ قاضی عیاض راکنی (متوفی ۵۸۲ھ) نے امام ابو حنیفہ کا یہ موقف بیان کیا ہے:

وَهُوَ مُقْتَضِيٌّ قَوْلِ أَبِي بَكْرِ الصَّدِيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَلَا يُقْتَلُ تَوْبَتُهُ
عِنْدَ هُؤُلَاءِ وَبِمِثْلِهِ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَصْحَابُهُ وَالثُّورِيُّ وَأَهْلُ
الْكُوفَةِ وَالْأَوْزَاعِيُّ فِي الْمُسْلِمِ، لَكِنْهُمْ قَالُوا هِيَ رَدَّهُ۔ وَرَوَى مِثْلُهُ
الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ مَالِكٍ رَحْمَهُ اللَّهُ وَحَكَى الطَّرَبِيُّ مِثْلُهُ عَنْ أَبِي
حَنِيفَةَ وَأَصْحَابِهِ فِيمَنْ يُنْقَصُهُ إِلَيْهِ أَوْ بَرَئَ مِنْهُ أَوْ كَذَبَهُ^۱

[امام ابن المنذر کے بیان کردہ دعوائے اجماع کے بعد قاضی عیاض فرماتے ہیں:] اور یہی سیدنا ابو بکر صدیق رض کے فرمان کا تقاضا ہے۔ مذکورہ بالا تمام ائمہ کے نزدیک شامت رسول کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، یہی موقف مسلمان کے بارے میں امام ابو حنیفہ، ان کے تبعین، ثوری، مالک کو فہم اور امام اوزاعی کا ہے، تاہم انہوں نے اس جرم کو ارتدا درج کیا ہے۔ ولید بن مسلم نے امام مالک کا بھی یہی موقف بیان کیا ہے جبکہ طبری نے امام ابو حنیفہ اور ان کے تبعین کا اس بدجنت کے بارے میں بھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیل کرے، آپ سے براءت کا اظہار کرے یا آپ کی تکذیب کرے، یہی موقف بیان کیا ہے۔^۲

امام ابو حنیفہ کے بارے میں یہی بات علماء ابن حبیم حنفی (م ۷۹۰ھ) نے بھی لکھی ہے:
فَعُلِمَ أَنَّ قَوْلَهُ "وَبِمِثْلِهِ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ" أَيْ قَالَ: أَنَّهُ يُقْتَلُ لِكِنْ

۱ الشفاء بتعريف حقوق المصطفى للقاضي عياض: ۲۱۵/۲

۲ امام ابن المنذر کے اس دعوائے اجماع کی عبارت پچھے نمبر ۲ کے تحت گزر چکی ہے۔



قالُوا: أَنَّهُ رَدَةٌ

”ان کے قول: وَبِمِثْلِهِ قَالَ أَبُو حَيْنَةَ سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اسے قتل تو کیا جائے گا لیکن وہ ارتداو کی بنا قتل ہو گا۔“

(۱۶) شتم رسول کے حدارتداد کو متلزم قرار دینے والے حنفی فقہا یہ بھی ہیں:

وَقَدْ نَقَلَ ابْنُ أَفْلَاطُونَ زَادَهِ فِي كِتَابِهِ الْمُسَمَّى بِمُعِينِ الْحُكَّامِ أَنَّهَا رَدَةٌ حَيْثُ قَالَ مَعْزِيًّا إِلَى شَرْحِ الطَّحاوِيِّ مَا صُورَتْهُ مِنْ سَبَبِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَوْ بَعْضَهُ كَانَ ذَلِكَ مِنْهُ رَدَةٌ وَحُكْمُهُ حُكْمُ الْمُرْتَدِينَ. وَفِي التَّنْتِفِ مِنْ سَبَبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَإِنَّهُ مُرْتَدٌ وَحُكْمُهُ حُكْمُ الْمُرْتَدٍ وَيُفْعَلُ بِهِ مَا يُفْعَلُ بِالْمُرْتَدِ“

اوپر کے اقتباسات میں پہلے آٹھ حنفی فقہا کے موقف شاتم رسول کی سزاے قتل ہونے پر گزرے ہیں جبکہ سزاے قتل کی کوئی توجیہ انہوں نے نہیں کی، جبکہ پانچ مرید حنفی علماء (ابن ہام، قاضی ابن عابدین، ابن براز، ربی اور مولی خرو) نے اس جرم کی سزا بطور مستقل حد، سزاے موت ذکر کی ہے اور آخری تین اقتباسات میں امام ابو حنیفہ کے بارے قاضی عیاض نے اور امام طحاوی حنفی کے بارے ابن افلاطون زادہ نے اور التتف میں کسی نسبت کے بغیر، شاتم رسول کی سزا کو بطور ارتداو قتل قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح ۱۶ حنفی فقہا کے موقف، مسلمان شاتم رسول کی سزاے موت پر یہاں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

مذکورہ بالاتفاقہ اس احتجاف میں، حالیہ دور کے نامور حنفی علماء کے اقوال کا انتخاب اس بنا پر کیا گیا ہے کہ فقه حنفی کے دور اول کے امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف سے لے کر، اس زمانہ کے نامور حنفی فقہا تک، سب کو احتجاف کے اس موقف میں کوئی تزویڈ یا اضطراب نظر نہیں آیا اور ان کا موقف بالکل واضح ہے کہ مسلمان شاتم کی سزا قتل ہی ہے، چاہے مستقل بالذات جرم گستاخی کی بنا پر ہو یاحدارتداد کے لزوم کی بنا پر۔ تو اب اس میں تحقیق کے نام پر یہ نیا موقف کیوں کر پیش کرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ ”علماء احتجاف کے ہاں اس جرم کی سزا یا حد مقرر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور یہ محض ایک تعریری جرم ہے۔“ یا



”احناف کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ عمومی قانون کے طور پر سزاے موت کی بجائے کمتر سزاوں کا نفاذ زیادہ قرین قیاس و مصلحت ہے۔“ ظاہر ہے کہ فقهاء احناف کے موقف کی تعبیر کرنے کا اصل حق انہی معتمد حنفی علماء کرام کو ہی حاصل ہے۔

مذکورہ بالاعبار توں میں خط کشیدہ الفاظ ملاحظہ کریں کہ کیا ان میں توہین رسالت کی مقررہ سزا کو بیان کیا گیا ہے یا اسے حاکم کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر اس کی سزا کو مقرر طور پر پیش کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا ہے تو پھر توہین رسالت کی سزا کو محض اس بنابر حد قرار دینے سے رک جانا کہ بعض فقهاء نے حدود کی لست میں اس کو درج نہیں کیا، ایک کوتاہی سے زیادہ نہیں۔ بعض فقهاء اس کو حدود کی لست میں درج کرنا یا نہ کرنا، ایک فتنی اور تدوینی امر ہے، تاہم فقہی موقف اس باب میں بالکل واضح ہے۔ اور اس امر میں تو کوئی شبہ نہیں کہ حنفی فقهاء کا اس کے مقررہ حد نہ ہونے پر اتفاق کا دعویٰ کرنا سراسر باطل ہے۔

بعض فقهاء نے شتم رسول کو حدود کی فہرست میں بھی درج کیا ہے، جیسے امام خالنے اپنی کتاب *أهل الملل والردة والزنادقة* میں کتاب الحدود میں ’باب فیمن شتم النبي ﷺ‘ کا تذکرہ کر کے اس کو حدود میں شامل کیا ہے۔

احناف کے ہاں ذمی شاتم رسول کی سزاے قتل

حنفیہ کے ہاں شاتم رسول کا واجب القتل ہونا مسلمان مجرم کی حد تک تو اتفاقی ہے جس کی صراحت مذکورہ بالاعبار توں کے علاوہ اجماع امت کی درجنوں تصریحات سے بھی ہو رہی ہے جن میں احناف کی حد تک اجماع کا محل مسلم شاتم کی سزاے قتل تک تصریح شدہ ہے۔

تاہم ان میں یہ اختلاف موجود ہے کہ بعض احناف کے نزدیک قتل کی یہ سزا ذمیوں (دارالاسلام میں آمان یا نت غیر مسلم) کو شرعاً نہیں دی جائے گی، بلکہ سیاستاً (مصلحتاً) دی جائے گی۔ لیکن اس سلسلے میں بھی اس جرم کی اساس حنفیہ میں مخالفہ وغیرہ کو قرار نہیں دیا گیا۔

① اس مسئلہ کیوضاحت مولانا مفتی رفع عثمانی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے:

”[جہاں تک ذمی کا تعلق ہے تو] امام مالک، اہل مدینہ، امام احمد بن حنبل، فقهاء حدیث، خود امام شافعی کے نزدیک ذمی کو بھی مسلمان کی طرح توہین رسالت کی وجہ





سے قتل کیا جائے گا۔ امام شافعی کے اصحاب کے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ جہاں تک امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے کہ تو وہ یہ کہ توہین رسالت کا مرتكب اگر ذمیٰ ہے تو پہلی دفعہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ امام اس پر مناسب تعزیر چاری کرے گا، البتہ اگر وہ جرم کا راتکاب مکور کرے، تو اس صورت میں اس کو قتل کیا جائے گا۔“

② ذمی کے بارے احناف کا موقف، امام طحاوی کی زبانی، علامہ ابن تیمیہ نے یوں بیان کیا ہے، جسے نامور حنفی فقیر قاضی ابن عابدین شامی نے بھی ذکر کیا ہے:

وَأَمَا أَبُو حَنِيفَةَ وَأَصْحَابَهُ فَقَالُوا: لَا يَنْتَقِضُ الْعَهْدَ بِالسَّبْطِ، وَلَا يَقْتَلُ الذَّمِيُّ بِذَلِكَ، لَكِنْ يَعْزِرُ عَلَى إِظْهَارِ ذَلِكَ... وَحْكَاهُ الطَّحاوِيُّ عَنِ الشُّورِيِّ

”امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کا کہنا ہے کہ ذمی کا عہد نبی ﷺ کو گالی دینے سے نہیں ٹوٹا اور اس بنا پر ذمی کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ تاہم اس کی سزا اس کو دی جائے گی.... اور یہی موقف طحاوی نے ثوری سے بھی نقل کیا ہے۔“

قاضی ابن عابدین شامی ذمیٰ کو قتل کرنے کا جواز پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَهُوَ يَدْلِلُ عَلٰى جُوازِ قَتْلِهِ زَجْرًا لِغَيْرِهِ إِذْ يَحُوزُ التَّرْقِيَّ فِي التَّعْزِيرِ إِلَى الْقَتْلِ

”اوہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دوسروں کو ڈرانے کے لئے اس کو قتل کرنا جائز ہے، اس لئے کہ تعزیر قتل تک ہو سکتی ہے۔“

③ علماء احناف کا ذمی کے بارے میں موقف یہ ہوا کہ اس کو شرعاً قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ سیاستاً (مصلحت عامہ یا حاکم کے اختیار) کے طور پر اس کو قتل کیا جائے گا۔ یہ موقف اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض حنفی علماء کے نزدیک توہین رسالت کا جرم، ذمی کا

۳۶

ذمی کے مسئلہ پر حنفیہ کے موقف کے تناظر میں قرآن کریم، احادیث صحیح اور آثار صحابہ ؓ کی دلالت نہایت صریح ہے، تاہم یہ موضوع ہمارے دائرہ بحث سے باہر ہونے کی بنابر ایک مستقل بحث کا مقتضی ہے۔

۱۹ مجلہ مذکور: ص ۲۰

۲۰ الصارم المصلول: ۱/۱۷

۲۱ رد المحتار لیعنی حاشیہ ابن عابدین: ۱۲/۲۳۰

اگست
2011

معاہدہ امان نہیں توڑتا، لیکن یاد رہے کہ اوقل تو متعدد حنفی علماء کے نزدیک ذمی کا معاملہ امان اس سے ٹوٹ جاتا ہے، شانیاً معاہدہ امان نہ ٹوٹنے کا لازمہ یہ نہیں کہ اُس کو قتل نہ کیا جائے، بلکہ معاہدہ امان ٹوٹ جانے سے ان بعض احتفاف کی مراد یہ ہے کہ حرbi شخص کی طرح اس ذمی کا مال، مالِ غنیمت اور ذمی خواتین، لوگوں بیان نہیں بن جاتیں، بلکہ ذمی کے جرم سرقہ کی طرح اس کی سزا اکیلے مجرم ذمی کو ہی دی جائے گی، اس کے اموال و خاندان کو نہیں، اس بنا پر اس جرم کو ذمی کے مال و کنبہ کے معاہدہ امان ٹوٹنے کے مترادف نہ سمجھا جائے۔ جیسا کہ خیر الدین رملی حنفی لکھتے ہیں:

لا يلزم من عدم النقض عدم القتل

”عہد امان نہ ٹوٹنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس ذمی کو سزا قتل نہیں دی جائیگی۔“

◎ علامہ ابن بکر فرماتے ہیں:

لا ينبغي أن يفهم من عدم الانتقاد أنه لا يقتل فإن ذلك لا يلزم
”معاہدہ نہ ٹوٹنے سے اس کا مقابل قتل نہ ہونے کا مفہوم لینا درست نہیں، نقض عہد کا یہ لازمہ نہیں۔“

◎ علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی، دور نبوی میں بعض شاتم ذمیوں کے قتل سے استدلال کرتے ہوئے، معاہدہ امان نہ ٹوٹنے کے نکتہ کی مزید وضاحت کرتے ہیں:

إإن النبي لم يجعل أموال هؤلاء فريضاً للمسلمين

”نبی کریم نے [ذمی] شاتمان کے اموال کو مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت نہیں بنایا۔“

غرض جس شخص نے حنفیہ کے اس موقف سے یہ سمجھا ہے کہ احتفاف کے ہاں ذمی شاتم رسول کی سزا قتل نہیں، اس نے بڑی غلطی کی ہے، جیسا کہ اس کی پر زور تردید علامہ ظفر احمد عثمانی نے اپنی کتاب ”اعلاء السنن“ میں امام اہن حرم کا جواب دیتے ہوئے کہی ہے۔ یاد رہے کہ علامہ عثمانی تھانوی کی کتاب ”اعلاء السنن“ پاکستان میں علماء دیوبند کے انتہائی معتمد علم مولانا اشرف علی تھانوی کے افادات سے ماخوذ ہے۔ علامہ عثمانی کا یہ موقف بلا تبصرہ





حسب ذیل ہے:

ومن فهم من عدم الانتقاض عدم القتل محدث الأندلس - العلامہ ابن حزم الظاہری - فنسب إلى الحنفیة القول بعدم القتل من سبّ الله ورسوله وجعل يطعنهم ويرميهم بكل سوء، ولم يدر أن الآفة في ذلك من عنده لا من عندهم، وهذا هو اللائق بظاهریته حيث قال: "وقال سفيان وأبو حنیفة وأصحابه: إن سب الذمی الله تعالیٰ أو رسوله ﷺ بأی شيء سبه فإنه لا يقتل لكن ينهی عن ذلك وقال بعضهم: يعزز(٤١٥/١١)"

فقوله: "إنه لا يقتل" كذب عليهم، وإنما قالوا: لا ينتقض العهد به ولا يلزم منه عدم القتل وكذا قوله: "وقال بعضهم: يعزز" خطأً فإنهم صرحو قاطبة بأنه يعزز على ذلك ويؤدب كما مر. والتعزير عندنا يعم الضرب والقتل جميعاً وهو مفروض إلى رأي الإمام، ويسمى القتل سياسةً وإن سلمنا أنها قالوا: لا ينتقض العهد بذلك ولا يقتل به فليس معناه أن يتركهم الأمام وهم يسبون الله والرسول ويطعنون في ديننا، في دارنا. كما فهمه ابن حزم وغيره من أهل الظاهر من قلة فهمهم وعدم تدبرهم في كلام علمائنا. بل معناه: أن العهد لا ينتقض بذلك وعلى الإمام أن ينبذ إليهم على سواء إذا آذونا في الله وفي الرسول وطعنوا في ديننا فإن الجهاد ما پس إلى يوم القيمة، صرح به الشامي نقلاً عن أئمتنا (٤٣٠/٣)

"محمد بن اندلس علامہ ابن حزم ظاہری نے جو ذمی کے معابدہ امن نہ ٹوٹنے سے اس کی سزا کے قتل کا نام ادا کیا ہے اور اس موقف کو حنفیہ کی طرف منسوب کر دیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے شامم کو قتل کی سزا نہیں دیتے اور اس بنا پر انہوں نے حنفیہ کو مطعون کیا اور بر اجلا کہا ہے۔ حالانکہ وہ حنفی موقف کو سمجھے ہی نہیں، یہ موقف ان کے سوء فہم کا نتیجہ ہے نہ کہ حنفیہ کی غلطی کا۔ اور ان کی ظاہریت کو یہی لائق ہے جب انہوں نے یہ بات کہی کہ "سفیان، ابو حنفیہ اور ان



کے تبعین کا کہنا ہے کہ ذمی کا اللہ اور اس کے رسول کو گالی دینا، جس چیز سے بھی وہ دشام طرازی کرے، تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کو اس فعل بدے سے روکا جائے گا، اور بعض نے کہا کہ اس جرم کی اس کو سزا دی جائے گی۔“

امام ابن حزم کا یہ کہنا کہ ذمی کو قتل نہیں کیا جائے گا، حفیت پر تہمت ہے۔ حفیت نے تو یہ کہا کہ اس سے ذمی کا عہد ٹوٹا نہیں ہے اور نہ ہی اس سے عدم قتل لازم آتا ہے۔ اسی طرح ابن حزم کا یہ کہنا کہ بعض حفیت نے کہا کہ اس کو سزا دی جائے گی، بھی غلط ہے کیونکہ ان تمام نے یہ صراحت کی ہے کہ اس کو تعزیر بھی دی جائے گی اور اس کی تادیب بھی ہو گی جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔ یاد رہے کہ تعزیر حفیت کے ہاں ضرب اور قتل دونوں کو شامل ہے۔ البتہ یہ حاکم کی رائے پر موقوف ہے۔ اور اسے سیاستاً قتل کرنا کہتے ہیں۔ اور بالفرض ہم مان لیں کہ ہم (حفیت) نے کہا ہے کہ اس سے عہد امان نہیں ٹوٹے گا اور نہ ہی اسے قتل کیا جائے گا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حاکم اُنہیں آزاد چھوڑ دے گا کہ وہ اللہ، اس کے رسول اور ہمارے دین میں طعنہ زنی کرتے پھریں جیسا کہ ابن حزم اور دیگر علماء ظاہر نے قلتِ فہم اور ہمارے علمائی رائے پر عدم تذیر کی بنابر ہمارا یہ موقف سمجھ لیا ہے۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس بنا پر ان کا عہد نہیں ٹوٹے گا، اور حاکم اسلام کو چاہئے کہ جب وہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور ان کے دین کے بارے میں طعنہ زنی کریں تو حاکم ان سے پوری طرح نہیں [یعنی جنگ کرے] کیونکہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ ہے وہ موقف جس کی صراحت امام ابن عابدین شافعی نے ہمارے ائمہ حفیت سے کی ہے۔“

۷ شتم رسول کو نقض عہد نہ مانے والے احتاف کا موقف یہ بھی ہے کہ اگر کوئی ذمی علانية شتم رسول کا ارتکاب کرے تو اس کو سزاے قتل دی جائے۔ این کمال باشلاکھتے ہیں: والحق أنه يقتل عندنا إذا أعلن بشتمه ﷺ صرخ به في سير الذخيرة حيث قال: واستدل محمد ليبيان قتل المرأة إذا أعلنت بشتم الرسول ﷺ بما روي أن عمر بن عدي ... مدحه على ذلك حق بات يه ہے کہ ہمارے نزدیک ذمی کو قتل کیا جائے گا، جبکہ وہ نبی کریم ﷺ کو



علانیہ گالی دے، اور 'سیر الذخیرہ' میں اس کی صراحت مصنف نے یوں کی ہے کہ امام محمد نے علانیہ شتم رسول کی مر تکب عورت کو قتل کرنے میں عمر بن عدی کے عصما بنتِ مروان کورات کے وقت قتل کرنے سے استدلال کیا ہے۔^۱

◎ امام ابو حیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی (متوفی: ۱۸۶ھ) فرماتے ہیں:

قالَ مُحَمَّدٌ فِي السِّيرَةِ الْكَبِيرِ وَكَذَلِكَ إِنْ كَانَتْ تَعْلَمَ بِشَتْمِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَا بَأْسَ بِقَتْلِهَا^۲

"امام محمد نے السیرۃ الکبیرہ میں فرمایا ہے کہ اور اسی طرح عورت رسول اللہ کو علانیہ گالی دے تو اس کے قتل میں کوئی حرج نہیں۔"

◎ علامہ شہاب الدین شلبی لکھتے ہیں: إذا أَظْهَرَهُ يَقْتَلُ
"جب ذمی علانیہ گتائی کا رہنمای کارہ کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔"

◎ علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی لکھتے ہیں:

وَبِالْجَمْلَةِ فَلَا خِلَافٌ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ فِي قَتْلِ الْذَمِيِّ أَوِ الْذَمِيَّةِ إِذَا أُعْلِنَ
بِشَتْمِ الرَّسُولِ أَوْ طَعْنِ فِي الإِسْلَامِ طَاهِرًا^۳

"ذمکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ذمی مرد یا ذمیہ عورت جب نبی کریم ﷺ کو علانیہ گالی دے یادِ دین اسلام میں طعن کرے تو فقهاء احناف میں اس کی سزا قتل میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

گویا شتم رسول کو ذمی کے لئے نقض عہد نہ مانے والے سزاے قتل کو رفع نہیں کرتے، جبکہ شتم رسول کا اظہار کرنے والے ذمی کی سزاے قتل پر جملہ فقهاء احناف کا اتفاق ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ شتم رسول جب تک دو مسلمان گواہوں کے سامنے نہ ہو اور کمرے کے اندر خاموشی سے ہو تو شتم رسول کا جرم ہی ثابت نہیں ہوا، جب یہ جرم ظاہر ہو کر دو مسلمانوں کے علم میں آجائے اور مسلم عدالت میں پہنچ جائے تو یہ شتم رسول کا اظہار ہے۔



۱ رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۲۵۵

۲ اعلاء السنن: ۱۲/۵۰۵

۳ حاشیہ تفسیر الحنفی: ج ۲ ص ۲۸۱

۴ اعلاء السنن: ۱۲/۵۰۵

اور اس ثبوتِ جرم کے بغیر کوئی بھی شتم رسول کے مبینہ ملزم کو سزا دینے کا قائل نہیں ہے۔ اور پر کی بحث سے واضح ہوا کہ ذمی کے بارے میں ان احتاف کا موقف جو اسے نقض عهد نہیں مانتے، تعبیر کی حد تک ہی مختلف ہے، اگر اسے ان دونوں نکات (سزاے قتل کا عدم رفع اور اظہار سے مشروط) کو مانا جائے تو پھر ذمی کے باب میں ان کا موقف پوری امت کے ساتھ ہی ہے۔ مزید یہ بھی پتہ چلا کہ مسلمان شاتم کے واجب القتل ہونے کی حد تک تو دیسے ہی احتاف اجماع امت میں داخل ہیں۔ اور ذمی کے بارے میں، اگر پاکستان کے غیر مسلموں کو بالفرض ذمی مان بھی لیا جائے تو ان کو سزاے قتل نہ دینا فقة حنفی کے خلاف ہرگز نہیں ہے کیونکہ فقة حنفی میں ذمی کے لئے بھی سزاے قتل موجود ہے جیسا کہ مذکورہ اقوال اور مولانا ظفر احمد عثمانی کی علامہ ابن حزم پر تقدیسے بالکل واضح ہے۔

⑤ ابھی تک ان احتاف کا موقف گزارا ہے جو ذمی کے لئے سب رسول کو نقض عهد نہیں مانتے، لیکن احتاف میں اکثریت اُن کی ہے جو اسے نقض عهد تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ ایسے حقیقتی کے موقف میں اساس کے لحاظ سے ہی جمہور علماء کے ساتھ کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ یہ اکثر و نامور حنفی فقہا جمہور اہل علم کی طرح اسی بات کے قائل ہیں کہ ذمی کو بھی تعزیر کی بجائے قتل کی سزا ہی دی جائے اور اس فعل بد سے اُس کا عہدِ امان ٹوٹ جائے گا جیسا کہ امام ابو بکر جصاص حنفی (م ۷۰-۳۵۰ھ) لکھتے ہیں:

وَقَالَ الْلَّٰهُثُ فِي الْمُسْلِمِ يَسِّبُ النَّبِيَّ ﷺ إِنَّهُ لَا يُنَاطِرُ وَلَا يُسْتَابُ وَيُقْتَلُ مَكَانَهُ... وَظَاهِرُ الْآيَةِ يَدْلِعُ عَلَى أَنَّ مَنْ أَظْهَرَ سَبَّ النَّبِيَّ ﷺ مِنْ أَهْلِ الْعَهْدِ فَقَدْ نَقْضَ عَهْدَهُ

”لیث بن سعد نے آپ ﷺ کو گالی دینے والے مسلمان کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مناظرہ و مباحثہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا بلکہ اسے اسی جگہ قتل کر دیا جائے گا۔... آیت مذکورہ ﴿وَإِنْ تَكُنُوا أَيْسَانَهُمْ...﴾ کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ معاهدین میں جس شخص نے نبی کریم ﷺ کی گتائی کو ظاہر کیا، گویا اس نے اپنا عہد توڑ دیا۔“



حفیت کے نام پر غلامیت کی ترجمانی!

ہدایت

① ذمی کے بارے یہی موقف علامہ عینی نے بھی اختیار کیا ہے کہ اس کو بھی قتل کیا جائے:
ولکن أنا معه في جواز قتل الساب مطلقاً
”تاہم میں مطلقاً ہر شام رسول کو قتل کرنے کے حق میں ہوں۔“

واختیاری فی السب أَنْ يُقْتَلُ وَتَبَعُهُ أَبْنَ الْهَمَامَ
”میرے نزدیک راجح یہی ہے کہ حضور ﷺ کو گالی دینے والے کو قتل کیا جائے۔
اور اس موقف میں ان کی پیروی ابن ہمام نے بھی کی ہے۔“
امام ابو بکر جصاص اور علامہ بدرا الدین عینی کے دیگر اقوال اسی شمارے کے صفحہ
نمبر ۸۳، ۹۷ پر بھی ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

② علامہ شہاب الدین آلوی بعض احتفاف کے اس موقف پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والقول بأن أهل الذمة يقررون على كفرهم الأصلي بالجزية وذا
ليس بأعظم منه فيقررون عليه بذلك أيضاً وليس هو من الطعن
المذكور في شيء ليس من الانصاف في شيء. ويلزم عليه أن لا
يعزّروا أيضاً كما لا يعزّرون بعد الجزية على الكفر الأصلي
ولعمري بيع بنيمة الوجود وَلِكُلِّ شَيْءٍ بشمن بخسن

”یہ کہنا کہ چونکہ جزیہ کی ادائیگی کے بعد اہل ذمہ کو ان کے کفر اصلی پر قائم رہنے کی
اجازت دی جاتی ہے اور سب و شتم اس کفر سے برداشتیں ہے، اس لئے انہیں اس پر
بھی قائم رہنے دیا جائے گا، انصاف سے بالکل بعيد بات ہے۔ اس صورت میں تو یہ
لازم آئے گا کہ جیسے انہیں جزیہ ادا کرنے کے بعد انکے کفر اصلی پر کوئی تعزیر نہیں
کی جاتی، اسی طرح سب و شتم پر بھی کوئی تعزیر نہ کی جائے۔ واللہ ابیہ تو کائنات کے در
یتیم ﷺ کو نہایت حیرانی قیمت کے عوض فروخت کر دینے کے مترادف ہے۔“

③ امام محقق ابن ہمام حفظہ (م ۸۲۱ھ) لکھتے ہیں:

وَالَّذِي عِنْدِي أَنَّ سَيْئَةً وَلِكُلِّ شَيْءٍ أَوْ نِسْبَةً مَا لَا يَبْغِي إِلَى اللَّهِ تَعَالَى إِنْ كَانَ

۵۲



اگست
2011

إِنَّمَا لَا يَعْقِدُونَهُ كَسْبَةُ الْوَلَدِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى وَتَقَدَّسَ عَنْ ذَلِكَ إِذَا أَظْهَرَهُ يُقْتَلُ بِهِ وَيَنْقُضُ عَهْدَهُ

”میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ ذمی نے اگر حضور ﷺ کی اہانت کی یا اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی طرف غیر مناسب چیز منسوب کی جوان کے اعتقادات سے خارج ہے۔ جب وہ ان چیزوں کا اظہار کرے تو اس کا عہد ثوٹ جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔“

علامہ ابن ہمام کا ایک قول پیچھے نمبر ۵ کے تحت بھی گزر چکا ہے، وہاں انہوں نے اس جرم کو مستقل حد قرار دیتے ہوئے واجب القتل قرار دیا اور اس کی توبہ کی عدم قبولیت کا موقف پیش کیا تھا، اسی بنابرہ یہاں ذمی کے لئے اس جرم کو لنفظ عہد اور وحوب قتل کی بنیاد قرار دے رہے ہیں۔ اظہار کا مفہوم یہاں وہی ہے جو ثبوت جرم کا تقاضا ہے۔

۹ فتاویٰ برازیلیہ کے مؤلف شیخ محمد بن شہاب ابن البراز حنفی (متوفی ۷۸۲ھ) لکھتے ہیں:

إِذَا سَبَّ الرَّسُولُ بِكَلِمَاتٍ أُو وَاحِدًا مِنَ الْأَبْيَاءِ فَإِنَّهُ يُقْتَلُ حَدًّا فَلَا تُوَبَّ لَهُ أَصْلًا سَوَاءً بَعْدَ الْقَدْرَةِ عَلَيْهِ وَالشَّهَادَةِ أَوْ جَاءَ تَائِبًا مِنْ قَبْلِ نَفْسِهِ كَالْزَنْدِيقِ لِأَنَّهُ حَدٌّ وَجْبٌ فَلَا يَسْقُطُ بِالْتُّوَبَةِ كُسَائِرُ حُقُوقِ الْأَدْمِينَ كَحَدِ الْقَذْفِ لَا يَسْقُطُ بِالْتُّوَبَةِ بِخَلْفِ مَا إِذَا سَبَ اللَّهُ تَعَالَى ثُمَّ تَابَ لِأَنَّهُ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى وَلِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِشَرِّ وَالْبَشَرِ جِنْسٌ يَلْحِقُهُمُ الْمُرْءَةُ إِلَّا مِنْ أَكْرَمِهِمُ اللَّهُ تَعَالَى وَالْبَارِي مِنْزَهٌ عَنِ جَمِيعِ الْمُعَابِ وَبِخَلْفِ الْأَرْتَادِ لِأَنَّهُ مَعْنَى يَتَفَرَّدُ الْمُرْتَدُ لَا حَقٌّ فِيهِ لِغَيْرِهِ مِنَ الْأَدْمِينَ وَلِكُنَّهُ قَلَّا إِذَا شَتَمَهُ عَلَيْهِ الْصَّلْوَةُ وَالسَّلَامُ لَا يَعْفُى وَيُقْتَلُ أَيْضًا حَدًّا وَهَذَا مَذْهَبُ أَبِي بَكْرِ الصَّدِيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَالْأَمَامُ الْأَعْظَمُ وَالثُّوْرَيْ وَأَهْلُ الْكُوفَةِ وَالْمَسْهُورِ مِنْ مَذْهَبِ مَالِكٍ وَأَصْحَابِهِ

”جب کوئی بدخت رسول کریم ﷺ یا کسی نبی کی گستاخی کرے، تو اس کو بطور حد قتل کر دینا واجب ہے۔ اس کی اصلًا کوئی توبہ قابل قبول نہیں، چاہے اس کو کپڑ کر لایا





جائے، یا اس کے خلاف گواہی دی جائے یا وہ خود توبہ کر کے آپنے، مثل زندیق کے۔ کیونکہ اس پر حد واجب ہو گئی جو انسانوں کے دیگر حقوق کی طرح محض توبہ سے ختم نہیں ہو جاتی۔ جیسا کہ تہمت طرازی کی حد ہے جو توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ برخلاف اللہ کی گستاخی کے، کیونکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کا ہی حق ہے۔ جبکہ نبی بشر ہیں اور بشر کو شرم و عار لا حق ہو سکتی ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ عزت دے اور باری تعالیٰ خود توہر قسم کے عیوب و فناکش سے بالاتر ہیں۔ اور برخلاف ارتداد کے بھی کیونکہ ارتداد میں انسان کسی دوسرے انسان کا حق متاثر نہیں کرتا۔ اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جب کوئی نبی کریم ﷺ کو سبب و شتم کرے گا، اس کو معاف نہیں کیا جائے گا اور اس کو حد کے طور پر قتل کر دیا جائے گا۔ یہی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، امام اعظم، ثوری، اہل کوفہ کا موقف ہے اور امام مالک اور ان کے شاگردوں سے مشہور موقف بھی یہی ہے۔“

(۱۰) امام خیر الدین رملی حنفی (م ۹۹۳ھ) کا قول شمارہ ہذا کے صفحہ نمبر ۸۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۱) امام ابو عباس احمد بن حنبلی حنفی (م ۸۲۶ھ) نے اپنی کتاب 'الاجناس في الفروع' میں لکھا ہے:

أما إذا سبّ رسول الله ﷺ أو واحدًا من الأنبياء عليهم السلام
يقتل حدًا ولا توبة له أصلًا سواء بعد القدرة والشهادة أو جاء
تاًباً من قبل نفسه كالزنديق لأنَّه حد وجب فلا يسقط بالتوبة
كسائر حقوق الآدميين وكحد القذف لا يزول بالتوبة بخلاف من
سبَّ الله تعالى ثم تاب لأنَّه حق الله تعالى والباري تعالى منزلة عن
جميع المعايب وبخلاف الارتداد لأنَّه يتفرد به المرتد لا حق فيه
لغيره من الآدميين ولهذا قلنا إذا شتمه ﷺ لا يُعْفَى ويُقتل أيضًا
حدًا وهذا مذهب أبي بكر الصديق رضي الله عنه والإمام الأعظم
والثوری وأهل الكوفة رضوان الله عليهم والمشهور من مذهب
المالک وأصحابه رحمهم الله

”جو شخص بھی رسول اللہ یا کسی نبی کو دشام طرازی کرے، تو اس کو حد کے طور پر



۱ تعارف کے لئے دیکھیں: کشف الظنون از حاجی خلیفہ ۱۱۱

۲ حسب المقتین از قاضی عبد المعالی بن خواجہ ابخاری من علماء القرن العاشر الحجری: ۳۳۶/۲

قتل کیا جائے گا اور اس کی کوئی توبہ نہیں، چاہے پکڑے جانے کے بعد ہو یا گواہیوں کے بعد یادہ از خود توبہ تاب، ہو کر پیش ہو جائے، زندگی کی طرح۔ کیونکہ اس پر حد واجب ہو گئی جو اکیلی توبہ سے ساقط نہیں ہوگی، جس طرح انسانوں کے دیگر حقوق کا معاملہ ہے اور جس طرح تہمت کی حد کا مسئلہ ہے جو توبہ سے ختم نہیں ہو جاتی۔ برخلاف اس شخص کے جس نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی تو اللہ سے توبہ کر کے وہ اللہ کے حق کو ادا کر دیتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ درحقیقت تمام عیوب سے بمرا و منزہ ذات باری ہے (یعنی اللہ کی گستاخی کرنے والا توبہ کر کے اپنے آپ سے دنیوی حد کو ساقط کر سکتا ہے)۔ اور برخلاف اس شخص کے بھی جو مرتد ہو گیا [تو وہ توبہ کر کے اپنے آپ سے سزا کو ساقط کر سکتا ہے] کیونکہ ارتداد میں انسانوں کا کوئی حق مجرور نہیں ہوا۔ اسی بنابر ہم کہتے ہیں کہ جس نے نبی کریم کی گستاخی کی اسے معاف نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اب آپ کا حق معاف نہیں ہو سکتا۔ سیدنا ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ)، امام اعظم ابو حنیفہ، امام ثوری، اہل کوفہ (رضی اللہ عنہم) کا یہی موقف ہے اور امام مالک اور ان کے تبعین کا بھی یہی موقف مشہور ہے۔

۱۲) تفسیر قرطبی کے مصنف امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی رقم طراز ہیں:

أكثر العلماء على أن من سب النبي ﷺ من أهل الذمة أو عرض واستخف بقدرها أو وصفه بغير الوجه الذي كفر به فإنه يقتل
”اكثر علماء کا کہنا ہے کہ اہل ذمہ میں سے جو شخص نبی ﷺ کو گالی دے یا تعریض کرے یا آپ کی قدر ہلکی جانے یا اپنے کفر کے علاوہ کسی چیز سے آپ کو موصوف کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ ہم اسے ذمہ یا عہد و پیمانہ نہیں دے سکتے۔“

اوپر کے چار اقوال نمبر ۵ تا ۸ میں نہ صرف یہ کہ ذمی کے لئے شتم رسول کے بعد نقض عہد کے موقف اختیار کیا گیا ہے بلکہ بعد میں ۱۱۹ اقوال میں اس جرم کو براہ راست حد قرار دیتے ہوئے، اس کے مقابل معافی ہونے کی شرعی توجیہات بھی پیش کی گئی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ آخری موقف جس حنفی فقیہ نے اختیار کیا ہے اور اسے امام ابو حنیفہ سے بھی منسوب قرار دیا ہے، ان کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا وسط ہے۔ اور بعد میں خیر الدین رملی

اور ابن بزار نے جن الفاظ میں اسے اختیار کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے استدلال و رجحان کا محور یہی موقف ہے جو پانچویں صدی ہجری سے فتحِ خلیل میں مشہور ہے۔ دراصل شتم رسول کے بارے میں یہ نکتہ اساسی حیثیت رکھتا ہے کہ یہ جرم ارتداد و عقوق والدین وغیرہ کی طرح محض گناہ نہیں بلکہ زنا، سرقہ اور تہمت جیسے جرائم کی طرح ایک قابل سزا جرم بھی ہے۔ کیونکہ اس میں ذاتِ نبوت ﷺ پر اتهام طرازی کی گئی ہے جو ان پر جنایت (زیادتی) کے مترادف ہے۔ ذاتِ نبوت پر جنایت کے ذریعے پوری امتِ اسلامیہ کے دل بھی چھلنی کئے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے شتم رسول کے جرم میں اللہ کا حق، رسول اللہ کا حق اور امت کا حق، متاثر ہوتے ہیں۔^۱

آخری اقوال میں نہ صرف اس کی قانونی علت پیش کی گئی بلکہ اس جرم کے براہ راست ارتداد نہ ہونے اور اس کے کلی مماثل نہ ہونے کی نفع بھی کی گئی ہے اور یہی شرع اسلامی کا اصل و حقيقی موقف ہے۔ یعنی یہ علیکم جرم پہلے حق نبوت میں ذاکرہ زنی کی بنا پر قبل سزا شرعی حد ہے۔ اس کے بعد اس کی شاعت و شدت کا یہ عالم ہے کہ شتم کو ارتداد کی طرف لے جاتا ہے۔ جن علانے اس کو سیدنا ابو بکر صدیق کے موقف کی طرح براہ راست حد اور قابل سزا بتایا، ان کا موقف کھرا ہے اور جنہوں نے اس کو ارتداد قرار دیا ہے، ان کے موقف میں قدرے گنجائش پائی جاتی ہے۔ پھر وہ اسے محض ارتداد بنانکر، ارتدا کی توبہ کا مسئلہ لے آتے یا ذمی کا معاملہ کھول لیتے ہیں کیونکہ ارتدا کی سزا مسلمان کے لئے ہی ہوتی ہے اور ذمی پر لا گو نہیں ہوتی۔^۲

واضح رہے کہ شتم رسول کے مسئلہ میں ارتداد سے انکار نہیں بلکہ یہ ارتداد کی بدترین صورت ہے کیونکہ اس میں ارتداد سے قبل ذاتِ گرامی ﷺ پر زیادتی بھی ہے۔ اس بنا پر ایسے مجرم کا کفر عام ارتداد سے زیادہ بڑا، زیادہ فتنج اور زیادہ شدید ہے، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے السبّ أعظم من جرم المرتد^۳، قاضی ابن عابدین نے إن كفره أشنع، علامہ ابن



۱ تفصیل کے لئے دیکھیں: مسئلہ توہین رسالت پر چند سوالات، از راقم: 'محمد'، فروری ۲۰۱۱ء

۲ امام ابن تیمیہ کے الفاظ ہیں: لم یُقتل لمجرد الردة، وإن السباب وإن ارتداً فليس بمنزلة المرتد المحض، ان کی کتاب الصارم المسول کے بعض عنوانوں ملاحظہ ہوں: سبّ الرسول أعظم من الردة،



بات درست نہیں کیونکہ

ن۔ اول تو یہ موقف امام ابو حنیفہ کے شاگرد محمد بن حسن شیعیانی نے بھی امام صاحب سے روایت کیا ہے، گویا امام محمد سے ہی یہ موقف احناف میں چلا آ رہا ہے۔ اور صدر اول سے ہی احناف میں دو موقف موجود ہیں جیسا کہ اس بات کا تذکرہ قاضی شافعی نے اپنی کتاب 'العقود الدریۃ' میں بھی کیا ہے:

أَنَّ مَنْ سَبَّ النَّبِيَّ ﷺ يَكْفُرُ فَإِنْ تَابَ تُقْبَلُ تَوْبَتُهُ وَلَا يُقْتَلُ عِنْدَهُ
وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، خَلَافًا لِمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللهِ

"جو بھی بی کریم کو سب و شتم کرے گا، وہ کافر ہو جائے گا، تاہم اگر وہ توبہ کر لے تو امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف کے ہاں اس کی توبہ قابل قبول ہو گی اور اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، جبکہ امام محمد بن حسن نے اس موقف سے اختلاف کیا ہے۔" عدم قبولیت توبہ پر امام محمد کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حفیہ میں یہ اختلاف روز اول سے چلا آ رہا ہے، نہ کہ یہ امام ابن براز کی روایت پر ہی موقف ہے۔

ii. اگر قاضی ابن عابدین کے بقول اس موقف کو ابن براز کی غلطی ہی مانا جائے یا احناف میں اس موقف کا خالق ابن براز (م ۸۲۷ھ) کو ہی سمجھا جائے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان سے پانچ صدیاں قبل ابو بکر جصاص حنفی (م ۳۰۷ھ) نے ذمی کے نقض عهد کا موقف کہاں سے اختیار کیا؟ ان سے چار صدیاں قبل امام ناطق حنفی نے کیسے کہہ دیا کہ توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ ایسے ہی ابن براز (م ۴۲۶ھ) سے کہیں زیادہ معروف ان کے معاصرین امام عینی (م ۸۵۵ھ) اور اہن ہمام (م ۸۶۱ھ) کو بھی کیا ضرورت پڑی تھی کہ حنفی موقف خود دیکھنے کی بجائے وہ اپنے ایک معاصر کی رائے پر اکتفا کریں، جبکہ ابن ہمام کا تلقب ہی احناف کے ہاں 'خاتمه الحفظین' ہے۔ اسی طرح ابن نجیم جنہیں احناف میں 'ابو حنیفہ ثانی' کا لقب دیا گیا ہے، انہیں کیوں کریم عظیم غلطی لگی؟ ظاہر ہے کہ یہ ان کے فہم اور تقدیم کی صلاحیت اور علمی مقام پر طعن طرازی ہے جس کا کوئی جواز نہیں۔



نجیم حنفی نے 'ارتداد مغلظ' اور قاضی عیاض السبّ اُقیح الشّلاۃ کے الفاظ استعمال کر کے اس کی نشاندہی کی ہے اور اسی کو 'رده عامہ' یا 'رده خاصہ' سے بھی تعمیر کیا جا رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شتم رسول کو مستقل حد قرار دینا یا بعض احتفاف کے اسے ارتداد قرار دینے میں باہم مطابقت نکل آتی ہے اور بعد کے فقہاء احتفاف کی اس صراحت کے ذریعے حنفیہ کے ہاں اس سزا کی توجیہ و تعلیل میں موجود ظاہری اختلاف بھی رفع ہو جاتا ہے۔

۱۳) 'حسب المفتین' کے مصنف، دسویں صدی کے حنفی عالم قاضی عبد المعالی لکھتے ہیں:

فِي شَفَاءِ الْقَاضِيِّ عَنْ أَصْحَابِنَا وَغَيْرِهِمْ مِنَ الْمذاهِبِ الْحَقِّ أَنْ توبَتِهِ

لَمْ تَقْبُلْ وَقْتَلْ بِالإِجْمَاعِ

"قاضی عیاض کی 'الشقا' میں ہمارے حنفی ساتھیوں اور دیگر فقہی مذاہب کا یہ موقف حق بیان ہوا ہے کہ اجتماعی طور پر شاتم کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، اور اس کو قتل کیا جائے گا۔"

شاتم کی قبولیت توبہ کا مسئلہ

یہاں تک ہونے والی بحث میں ذمی کے لئے نقض عہد کا مسئلہ پیش کیا گیا کہ جو حنفی فقہاء اس کو نقض عہد قرار نہیں دیتے، وہ بھی ثبوتِ جرم کے بعد سزاۓ قتل کے رفع کے قائل نہیں ہیں اور جو اسے نقض عہد سمجھتے ہیں وہ تو بالا ولی شاتم ذمی کو واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا مسئلہ توبہ کی قبولیت و عدم قبولیت کا پیدا ہوتا ہے، اس بارے میں حنفی علام: بزازی، رملی، ابن نجیم اور ابن ہمام رض کا موقف شاتم کی عدم قبول توبہ کا ہے جس کی فقہی اساسات بھی گزر چکی ہیں۔

قاضی ابن عابدین شامی نے کہا ہے کہ احتفاف میں فتاویٰ بزازیہ کے مؤلف شیخ محمد بن شہاب المعرف ابن البزار (متوفی ۷۸۲ھ) نے شاتم رسول کی توبہ کے مسئلے میں غلطی کھائی ہے اور انہوں نے حنفیوں کا موقف غلط ذکر کر دیا ہے، اور اس کے بعد ان کی اس غلطی پر بعد میں آنے والے علماء احتفاف نے اسی غلط موقف کو اختیار کر لیا، حالانکہ قاضی شامی کی یہ

الدلیل علیٰ أَنَّ السَّبَّ جَنَاحَةً مُفَرِّدةً، إِنَّ السَّبَّ جَنَاحَةً زَائِدَةً عَلٰى كُونِهِ كُفْرًا وَحْرَبًا

1 حب المفتین از قاضی عبد المعالی بن خواجہ البخاری: ۲۳۷/۲



iii. جن حنفی فقہا کے بارے غلطی کا دعویٰ کیا گیا ہے، ان کی اصل تحریروں کو دیکھا جائے تو اس سے بھی اس الزام کی تائید نہیں ہوتی، کیونکہ انہوں نے اس موقف کو یا تو راہ راست استدلال کی بنا پر اختیار کیا ہے یا صدر اول سے چلے آنے والے اختلاف کی بنا پر... نامور حنفی فقہا مثلاً امام ابن ہمام (م ۸۶۱ھ)، ابن قیم (م ۷۰۵ھ)، علامہ خرسو (م ۸۸۵ھ)، علامہ تمر تاشی اور شیخ خیر الدین الرملی وغیرہ نے اس موقف کو امام محمد سے لیا ہے۔ اور امام خیر الدین رملی اور امام آلوسی نے زبردست شرعی دلائل کی بنا پر اس فقہی موقف کو اختیار کیا ہے اور امام ابن ہمام نے بھی توبہ کی عدم قبولیت کی واضح صراحت کی ہے۔ یہ فقہا اس موقف کو امام ابو حنیفہ اور سیدنا ابو بکر ؓ کے فرمان کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔ الغرض اس باب میں حنفی فقہا کی عظیم اکثریت جمہور علماء امت کے ہی ساتھ ہے۔

v. حنفی کے بارے میں ہمارے اس موقف کو یہ بات بھی تقویت دیتی ہے کہ امام ابو حنیفہ کسی صحابی کے قول کے خلاف رائے دینے کے قائل نہیں۔ جبکہ اس معاملہ میں صحابہ کا اجماع ہے، بالخصوص سیدنا ابو بکر صدیق اور متعدد صحابہ کا شرم رسول پر نقض عہد کے بارے میں صریح فرمان موجود ہے۔

v. احناف کا موقف سیدنا ابو بکر و عمر کی گستاخی کے بارے میں یہ ہے کہ اس کے مر تکب کی توبہ قبول نہیں، جب احناف کا موقف شیخین کے بارے میں اس قدر واضح ہے تو سید المرسلین ﷺ کے بارے میں بھی احناف کا موقف اس قدر پختہ ہی ہونا چاہئے۔ امام ابن قیم حنفی کتاب السیر کے باب الردة میں لکھتے ہیں:

کل کافر تاب فتویٰ مقبولة في الدنيا والآخرة إلا جماعة: الكافر
بسب نبی وبسب الشیخین أو أحدهما

”ہر کافر کی توبہ دنیا اور آخرت میں قبول ہو سکتی ہے، مگر ایسا کافر جو نبی کریم ﷺ یا شیخین رضی اللہ عنہم کی گستاخی کر کے کافر ہو تو اس کی توبہ قابل قبول نہیں۔“

یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ مددوح مضمون نگار حنفیہ کے موقف کی تعبیر کرتے ہوئے



ذمیوں کی بجائے اگر غیر مسلموں کا لفظ استعمال کریں تو اس کو بھی حنفی موقف کی درست ترجیحی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ بعض احناف کے موقف میں ذمیوں کے لئے تفرق پایا جاتا ہے غیر مسلموں کے لئے نہیں۔ غیر مسلم یعنی کفار کے لئے فقہائے احناف کا موقف بڑا واضح ہے جو ان الفاظ میں صاحبِ درختار، علامہ حسکفی حنفی نے بیان کیا ہے:

و (الكافر بسب نبی) من الأنبياء فإنَّه يقتل حَدًّا ولا تقبل توبَة مطلقاً ولو سبَّ الله تعالى قبلَت لأنَّه حق الله تعالى والأول حق

عبد لا يزول بالتبوية ومن شك في عذابه وكفره كفر

”جہاں تک شاتم نبوت یا کسی اور نبی کے گستاخ کافر کا تعلق ہے تو اس کو بطور حد قتل کیا جائے گا، اور مطلقاً اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ تاہم اگر وہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرے تو اس کی توبہ مقبول ہو سکتی ہے کیونکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے جبکہ پہلے جرم میں بندے کا حق بھی شامل ہے جو توبہ سے زائل نہیں ہوتا۔ جو شخص کافر کی اس سزا اور اسکے کفر میں شک کرے تو وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔“

قاضی ابن عابدین شاہی بھی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَالْكَافِرُ يُسَبِّبُ نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَإِنَّهُ يُقْتَلُ حَدًّا وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَةُ مُطْلَقاً

”جہاں تک کسی کافر شاتم رسول کا معاملہ ہے تو اس کو حد کے طور پر قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ مطلقاً قبول نہیں کی جائے گی۔“

یہاں یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ اگر بعض حنفی علماء کے ذمیوں کے بارے میں موقف کو اختیار کیا جائے تو اس سے مسلم ممالک کی موجودہ صور تحال میں فتحی طور پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کیونکہ فی زمانہ پاکستان میں غیر مسلم حضرات اپنے آپ کو ذمی نہیں مانتے، وہ اس حیثیت کو قبول کرنے کی بجائے مساوی مقام کے دعویدار ہیں، اس بنابر ان میں سے کوئی ایک بھی ذمہ ادا کرنے کے سوال سے ہی بھڑک امتحاتا ہے، جیسا کہ یہ بات واضح ہے۔ ان پر شرعاً کافر کے احکامات کا ہی اطلاق ہو گا جس کی سزا آپ اوپر ملاحظہ کر چکے ہیں۔

نوٹ: مذکورہ بالا فقہی اقوال میں استدلال کے لئے جب بعض عبارتوں کو پیش کیا گیا تو ان



میں بعض دوسرے جزوی رجحانات بھی نظر آتے ہیں جس سے قاری کو تشویش پیدا ہوتی ہے۔ دراصل کتاب و سنت، جو کلام و مراد الہی ہیں، میں یہ جزوی تعارض اس بنابر آخر کا رفع ہو جاتے ہیں کہ وہ اصل شریعت ہیں اور وہی الہی پر منی ہیں، جبکہ فاضل اہل علم کی آراء کو کسی ایک مسئلہ پر بالکل یکجان کر کے پیش کرنا بعض اوقات ممکن نہیں ہوتا کیونکہ مختلف اشخاص سے صادر ہونے کی بنابرائی کے رجحانات اور توجیہات میں حقیقی فرق موجود ہوتا ہے۔ ہر فقیہ اپنے طور پر کسی مسئلہ کی توجیہ کرتا اور اس میں ترجیح قائم کرتا ہے، اس لئے کتاب و سنت کے متون و معانی جیسا کلی فکری اتحاد فقہی عبارتوں میں تلاش کرنا مشکل ہے۔

کیا تو ہیں رسالت کی سزا کی اساس حarb ہے؟

جملہ محمد شین کرام، فقہاء عظام اور مضمون نگار کے موقف میں جو بنیادی فرق ہے، وہ یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کے ہاں مسلمان شامِ رسول کی سزا کے قتل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس کی یہ سزا بالاجماع ہے، اس میں کمی بیشی اور تکرار و اظہار کا کوئی فرق نہیں ہے۔ تاہم ذمی کے بارے میں بعض حنفی فقہاء یہ تفصیل ضرور پیش کی ہے کہ تکرار و اظہار کی بنابر سیاست و مصلحت اس کی سزا قتل ہوگی، لیکن اس موقف میں آگے بڑی تفصیل ہے۔

جبکہ دوسری طرف مضمون نگار سرے سے اس جرم کی مقررہ سزا ہی نہیں مانتے بلکہ وہ موقف جو ذمی حضرات کے بارے میں بعض حنفی فقہاء کی طرف منسوب ہے، اس کو اس مسئلہ میں اصل قرار دیتے ہوئے، اسی مسئلہ کو مسلمان وغیر مسلم تمام کے لئے یکساں سمجھتے ہیں۔ اس بنابر مضمون نگار کا یہ موقف امتِ مسلمہ کے اجماع سے صریح انکار کے مترادف ہے۔ اس موقف کو اختیار کرنے کی وجہ احادیث رسول اور اجماع صحابہ کی دلالت کو نظر انداز کرتے ہوئے، ان کی یہ تاویل کرنا ہے کہ احادیث میں یہ سزا میں تکرار جرم یا تو ہیں رسالت کے ساتھ مزید جرام مل جانے کی بنابر یا جنگی سیاق میں دی گئی ہیں، ظاہر ہے کہ احادیث کے بارے میں ان کی یہ تاویل قطعاً درست نہیں۔

الفرض بعض حنفی علماء ذمیوں کے لئے علیحدہ مسئلہ بیان کیا ہے لیکن موصوف نے اس فرق کو ذمیوں کے لئے مخصوص رہنے کی بجائے اس کو اصل مسئلہ کے لئین میں اس کی حیثیت دے لی ہے اور ذمیوں کا موقف مسلمانوں کے ساتھ خلط ملکر کے، اضطراب

وانتشار دکھا کر پورے مسئلہ کو ہی تبدیل کر دینے کی کوشش کی ہے۔

جب ان کے ہاں ایک استثنائی موقف، اصل مرکزی مسئلہ کی حیثیت رکھتا ہے تو اس نتیجہ تک پہنچنے کے لئے احادیث کی دلالت ختم کرنا اور ان کی توجیہ و تاویل کئے بنا کوئی چارہ نہیں تھا۔ چنانچہ ان کے نزدیک شتر رسول بذاتِ خود کوئی جرم نہیں بلکہ اس جرم کی سزا معاشرے میں اعتشار و افتراق اور سماجی مصلحت کے پیش نظر ہی دی جائے۔ اس لئے انہوں نے اس کو محاربہ کی قبلی سے قرار دیا ہے جو دراصل فساد فی الارض کی روک تھام کے لئے ہوتا ہے۔

اس کو محاربہ قرار دینے کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ اس طرح یہ جرم حدود سے نکل گیا کیونکہ محاربہ میں جرم کی نوعیت و کیفیت کے پیش نظر ایک سے زائد سزا میں موجود ہیں اور ایک مقررہ سزا نہ ہونے کی بنا پر بعض فقہاء کے نزدیک محاربہ حد کے ذیل میں نہیں آتا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ محاربہ کی سزا کے ضمن میں مخفی جلاوطنی جیسی بے ضرر سزا بھی شامل ہے، جسے ان کے الفاظ میں ’شہری حقوق سے محرومی‘ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ محاربہ کی صورت میں آسان سزا میں بھی ممکن ہیں۔ تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ محاربہ کے تحت آنے کی بنا پر اس میں قرآن کریم سے توبہ کی گنجائش میر آگئی۔ حالانکہ یاد رہنا چاہئے کہ محاربہ میں توبہ کی گنجائش قرآنی الفاظ کی رو سے مجرم کے عدالتی گرفت میں آنے سے پہلے پہلے ہے، تاہم اس کے باوجود وہ اہانتِ رسول کو محاربہ قرار دے کر، بعد ازاں گرفت بھی اس کو توبہ کا موقع دینے کی تجویز دے رہے ہیں جس کا کوئی جواز نہیں بنتا۔

① آغاز میں مذکور احادیثِ رسول، اجماع صحابہ اور علمائے امت کی متعدد تصریحات میں کہیں بھی اس جرم کی سزا کے لئے اصولی طور تکرار و فساد کی شرط (ماسوائے ذمی) عائد نہیں کی گئی اور یہی بات سیدنا ابو بکر کے مذکورہ اصولی واقعہ سے ثابت ہوتی ہے۔

② احادیثِ رسول میں توہین رسالت کے ضمن میں آنے والے واقعات میں، سزادیت وقت کبھی کسی حدیث میں محاربہ کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ نہ ہی پچھے مذکور اقوال میں اسے محاربہ قرار دیا گیا ہے۔ محاربہ کی سزا میں توکلزے کر دیا جانا یا سوی دیا جانا، یا مخالف سمت سے ہاتھ پاؤں کاٹ دینا یا جلاوطن کرنا ہیں۔ ظاہر ہے کہ توہین رسالت کے درجنے سے زائد واقعات میں کہیں بھی ان میں سے کوئی سزا نہیں دی گئی بلکہ ان کو موت کے گھاث



اُنمراً اگیا ہے۔ اس لئے اس کو فساد فی الارض میں شامل کر کے محاربہ کا دعویٰ کرنا بالکل فضول سی بات ہے۔

۳ اس ضمن میں ایک مشہور واقعہ سیدنا عمر بن الخطابؓ کا بھی ہے جس میں انہوں نے نبی ﷺ کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنے والے منافق کی گستاخی کی سزا، اس کو قتل کر کے دی تھی:

لَا تعجلًا حتى أخرج إلينكما فدخل فاشتمل على السيف وخرج
قتل المنافق ثم قال: هكذا أقضى بين من لم يرض بقضاء رسول
الله. فأتى جبريل رسول الله ﷺ فقال: إن عمر قد قتل الرجل
وفرق الله بين الحق والباطل على لسان عمر. فسمى الفاروق
”ميرے آنے سے قبل نکل مت جانا۔ پھر حضرت عمر تواریخ کر اور منافق کو قتل
کر دیا، پھر فرمایا: اس کے بارے میرا فیصلہ یہ ہے جو رسول اللہ کے فیصلے کو تسلیم
نہیں کرتا۔ پھر حضرت جبریل نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور انہیں بتایا کہ عمر نے
اس کو قتل کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان سے حق اور باطل کا فیصلہ کر دیا
ہے۔ اس بنابر عمر کا نام ”فاروق“ رکھ دیا گیا۔“

یہ واقعہ ابن لبیعہ کے ضعیف طریق کے علاوہ ابو مغیرہ اور شعیب بن شعیب کے صحیح طریق سے بھی مردی ہے، اس بنابر حافظ ابن کثیر اور امام احمد بن حنبل وغیرہ نے اسے قابل اعتبار قرار دیا ہے، علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب میں اس واقعہ کے تذکرہ کے بعد لکھتے ہیں:

و هذا المرسل له شاهد من وجه آخر يصلح للاعتبار

”ویگر شواہد کی بنابر اس مرسل روایت پر اعتبار کرنا درست ہے۔“

دیکھئے کہ اس واقعہ میں بھی شان نبوت میں گستاخی کی سزا کے لئے تکرار کی کوئی شرط پیش نہیں کی گئی اور اس سے مزحومہ موقف کی بخوبی تردید ہوتی ہے۔

۱ یاد رہے کہ جب مولانا اصلاحی نے رجم کا انکار کر کے اس کو محاربہ کے تحت داخل کیا تھا تو انہوں نے سنگاری کو تقتیل کا مصدقہ قرار دیا تھا۔ (تذہب قرآن: ۲۷۷/۲) ، لیکن مضمون نکار تک آتے آتے اب اس تاویل کی بھی شاید کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔

۲ الدر المختار: ۵۸۶/۲، عمدة القاري: ۱۲/۲۰۳، فقال النبي لعمر: «أنت الفاروق» (تفہیم رازی: ۵/۲۵۸)

۳ مند الفاروق: ۸/۲۷۶، بکوال القصیرۃ الخلقاء الراشدین: ۲/۱۱۸۸

۴ الصارم المسلول: ۱/۲۳





ح

نیت

کے نام پر غامتیت کی ترجیحی!

۲۱

③ پیچھے سیدنا ابو بکر و عمر کی احادیث گزر چکی ہیں، اس طرح صحابہ کرام کے بہت سے اصولی فرائیں بھی موجود ہیں، جن کی استنادی حیثیت معياری نہیں، تاہم ان سے شریعت کے رجحان کا علم ضرور ہوتا ہے:

i. حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا:

أَقِيْعَدَ عَمَرُ بْنُ خَطَّابٍ سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُتِلَ، ثُمَّ قَالَ عَمَرٌ: مَنْ سَبَّ اللَّهَ أَوْ سَبَّ أَحَدًا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَاقْتُلُوهُ

”حضرت عمر بن خطاب کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے شان رسالت ﷺ میں گستاخی کی تھی۔ تو حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور کسی بھی نبی کی شان میں گستاخی کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔“

ii. سیدنا علی بن ابی طالب سے مردی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ سَبَّ نَبِيًّا فُتُلَ وَمَنْ سَبَّ أَصْحَابَهُ جُلِدَ“

”جس نے کسی نبی کو گالی دی تو اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے آپ کے صحابہ کو گالی دی تو اسے کوڑے لگائے جائیں گے۔“

iii. سیدنا علی بن ابی طالب کا فرمان ہے:

”جس نے رسول اللہ ﷺ کی توبین کی، اس کی گردن مار دی جائے۔“

iv. دور عمر کا ایک ایمان افروز واقعہ یوں ہے:

أن غلمنا من أهل البحرين خرجوا يلعبون بالصوالحة، وأسقف البحرين قاعد فوقعت الكرة على صدره فأخذها، فجعلوا يطلبونها منه فأبى، فقال غلامهم: سألكت بحق محمد ﷺ إلا رددتها علينا، فأبى -لعنه الله- وسب رسول الله، فأقبلوا عليه بصواليجهم، فما زالوا يخبطونه حتى مات، فرفع ذلك إلى عمر بن الخطاب، فوالله ما فرح بفتح ولا غنيمة كفرحة بقتل الغلمان

۶۲



اگست
2011

۱ کنز العمال ۳۳۵۲ و سندہ صحیح، الصارم المسلط: ۲۰۱

۲ الصارم المسلط: ۹۸

۳ مصنف عبد الرزاق: ۳۰۸/۵

لذلك الأسف، وقال: الآن عز الإسلام، إن أطفالاً صغاراً ستم
نبههم، فغضبو الله وانتصروا

”اہالیان بھریں کے بچے باہر نکل کر صوالج (ہاکی جیسا) کھیل رہے تھے اور بھریں کا بڑا
پادری وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک گینداش کے سینے پر جالا گاؤ تو اس نے اسے پکڑ لیا، بچے
اس سے گینداش گلنے لگے، اس نے دینے سے انکار کر دیا اور نبی کریم کو بھی کالی دی۔
سارے بچے مل کر اپنی کھیل کی لاٹھیوں کے ساتھ اس پر پل پڑے اور اس کو اس
وقت زدو کوب کرتے رہے حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ یہ قضیہ عمر بن خطاب کی طرف بھیجا گیا
تو بخدا آپ فتح یامال غنیمت سے اس قدر خوش نہیں ہوئے جتنے بچوں کے اس بیش
کو قتل کرنے پر مسرور ہوئے۔ اور آپ نے کہا کہ آج اللہ نے اسلام کو عزت دے
دی ہے کہ بچوں نے اپنے نبی کی گستاخی پر غیض و غصب کا مظاہرہ کیا اور انہوں نے
انتقام لے لیا۔“

۷۔ ایسے ہی اصولی فرامین سیدنا ابن عباس، سیدنا ابن عمر اور عمر بن عبد العزیز وغیرہ سے
بھی مروی ہیں، جن کا تذکرہ یادِ باعث طوالت ہو گا۔

۵ یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ شتم رسول یا دیگر جرائم کے ساتھ محاربہ کی سزا بھی بعض
اوقات شامل ہو سکتی ہے جبکہ جرم میں سُکنی اور شدت و تکرار اس قدر زیادہ ہو کہ فساد
فی الارض واقع ہو لیکن شتم رسول کی ہر صورت کو محاربہ قرار دینا یا محاربہ سے کمتر
صورتوں میں شتم رسول کی سزا ہی رفع کر دینا بہر حال غلطی ہے۔

مذکورہ بالا واضح دلائل اور جلیل القدر فقہاء علماء کے صریح فرامین کو نظر انداز کرتے
ہوئے مضمون نگار لکھتے ہیں کہ

”یہ بات تو بھی فقہی مکاتب فکر کے ہاں متفق علیہ ہے کہ شتم رسول کی سزا کا مسئلہ
بنیادی طور پر ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور قرآن و سنت میں اس جرم پر ’حد‘ کے
طریقے پر کوئی مخصوص سزا مقرر نہیں کی گئی۔“

یہاں یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ مضمون نگار اپنے موقف کی تائید کے لئے حفی فقة کو پیش



کرتے ہیں، جبکہ نامور حنفی فقہا کا موقف تو ایک طرف رہا، موصوف تو امتِ اسلامیہ کے اجماعی موقف کے بھی قائل نہیں، جیسا کہ اس قبل حدودِ قوانین کے موضوع پر اپنی تصنیف کے رد میں جامعہ مدینہ لاہور کے مفتی ڈاکٹر عبد الواحد حنفی[ؑ] کا جواب الجوب دیتے ہوئے آپ صراحة کے ساتھ لکھے چکے ہیں:

”یہ حقیقت اپنی جگہ بالکل واضح ہے کہ علمی و فقہی تعبیرات کے دائرے میں اجماع کا تصور ایک علمی افسانہ ہے جس کا حقیقت کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔“^۱
اجماع جیسی مسلمہ دلیل شرعی کے بارے میں اس موقف کے بعد انہیں فقه حنفی کا حوالہ دے کر، اس کی بنیاد پر اپنے موقف کو قائم کرنے کا تاثر دینے سے اخلاقاً گریز کرنا چاہئے۔

﴿ مضمون نگار کی غامدیت نوازی ﴾

اس بنیاد پر حنفی موقف کی حقیقت جو کچھ بھی ہو، اسے صرف مطلب براری کے لئے ہی پیش کرنا مقصود ہے۔ مضمون نگار کا موقف اس ضمن میں وہی ہے جو جاوید احمد غامدی نے اپنے متعدد مضامین میں بڑی صراحة کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ جاوید غامدی کے یہ مضامین ماہنامہ اشراق کے میں، جون اور جولائی ۲۰۱۱ء کے تین شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔ جو صاحب علم بھی ان مضامین کو پڑھیں گے تو وہ مذکور مضمون نگار کی تحقیق اور ان مضامین میں پائی جانے والی مماثلت پر حیران ہو جائیں گے۔

① اختصار کے پیش نظر ہم صرف ان کے ایک دو اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں:
”توہین رسالت کی سزا کا جو قانون ریاستِ پاکستان میں نافذ ہے، اس کا کوئی مأخذ قرآن و حدیث میں ملاش نہیں کیا جاسکتا...“

آیت میں یہار بون کا لفظ تقاضا کرتا ہے کہ آیت میں جو سزا میں بیان ہوئی ہیں، وہ اسی صورت میں دی جائیں جب مجرم سرکشی کے ساتھ توہین پر اصرار کرے؛ فساد انگیزی پر اتر آئے؛ دعوت و تبلیغ، تلقین و نصیحت اور بار بار کی تنبیہ کے باوجود بازنہ آئے بلکہ مقابلے کے لئے کھڑا ہو جائے۔ آدمی الزام سے انکار کرے یا اپنی بات کی وضاحت کر دے اور اس پر اصرار نہ کرے تو لفظ کے کسی مفہوم میں بھی اسے



محاربہ یا فساد قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ریاست پاکستان میں احتفاف کی اکثریت ہے لیکن باعثِ تجھب ہے کہ قانون سازی کے موقع پر ان کی رائے یکسر نظر انداز کر دی گئی ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ موجودہ قانون قرآن کے بھی خلاف ہے، حدیث کے بھی خلاف ہے اور فقهاء احتفاف کی رائے کے بھی خلاف ہے، اسے لازماً تبدیل ہونا چاہئے۔ یہ پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی کا سبب بن رہا ہے۔“^۱

۲) غامدی صاحب کے موقف کی نزاکتیں ان کی زیر نظر تحریر میں ملاحظہ فرمائیں:

”فقہا یہ کہتے ہیں کہ مسلمان اگر توہین رسالت کا راتکاب کرے گا تو مرتد ہو جائے گا، اور مرتد کی سزا قتل ہے... فقہا کے نزدیک سزا کی بنیاد یہی ہے لیکن قرآن و حدیث پر تدبیر سے واضح ہو جاتا ہے کہ دورِ صحابہ کے بعد یہ بنیاد ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی ہے۔ ہم نے اپنی کتابوں میزان اور برهان میں پوری طرح مبرہن کر دیا کہ ارتداو کی سزا انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھی جن پر رسول اللہ ﷺ نے براؤ راست اتمام حجت کیا اور آپ پر ایمان لانے کے بعد وہ کفر کی طرف پلٹ گئے... منکرین حق کے خلاف جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتونین پر جزیہ عائد کر کے انہیں محکوم اور زیر دست بنانے کرنے کا حق بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ قیامت تک کوئی شخص اب نہ دنیا کی کسی قوم پر اس مقصد سے جملہ کر سکتا ہے اور نہ کسی مفتوح کو محکوم بنا کر اس پر جزیہ عائد کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ مسلمان ریاستوں کے غیر مسلم شہری نہ اصلاح الدم ہیں، نہ ذمی ہیں اور نہ کسی امان کے تحت رہ رہے ہیں جس کے آٹھ جانے کی صورت میں ان کے بارے میں قتل کا حکم دیا جائے۔ یہ سب چیزیں قصہ ماضی ہیں۔“^۲

جادید غامدی کی ان تحریروں میں کیا کیا گوہر افشا نیاں کی گئی ہیں اور دونوں موقفوں میں کیا کیا ماماثلتیں نکلی ہیں، اس کا جائزہ ہم ذی بصیرت قارئین کی ذہانت کے سپرد کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

۱) ماہنامہ اشراق، مئی ۲۰۱۱ء... ص ۳، ۲، ۱

۲) ماہنامہ اشراق، جولائی ۲۰۱۱ء... ص ۲





۳ مضمون نگارنے شتم رسول کے مسئلے میں سزاے موت سے انکار کیا ہے، کیوں؟ اس کی

اساس غامدیت کے اصولوں میں یوں بیان ہوئی ہے:

”موت کی سزا قرآن کی رو سے قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں نہیں دی جاسکتی۔“

۴ ایک اور مقام پر امرتاد کی سزا اکا انکار کرتے ہوئے جناب غامدی لکھتے ہیں:

”ہمارے فقہا کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے قرآن و سنت کے باہمی ربط سے اس حدیث کا مدعا سمجھنے کی بجائے اسے عام ظہرا کہ مرتد کی سزا موت قرار دی اور اس طرح اسلام کے حدود و تعزیرات میں ایک ایسی سزا اکا اضافہ کر دیا جس کا وجود ہی شریعت اسلامیہ میں ثابت نہیں ہے۔“

۵ جہاں تک مضمون نگار کی تجویز کردہ اس سزا کا تعلق ہے کہ ”شاتم رسول کو شہری حقوق

سے محروم کر دیا جائے۔“ تو یہ سزا بھی فرقہ غامدیہ کے استاذ امام مولانا امین احسن

اصلاحی کی ہی تجویز کردہ ہے۔ اس سے بھی موصوف کے فکری ماذدوں کا پتہ چلتا ہے،

مولانا اپنی تفسیر میں آیت ﴿وَمَنْ يُرِيدُ دِيْنَكُمْ عَنْ دِيْنِهِ﴾ کی تشریع میں لکھتے ہیں:

”ہمارے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص مرتد ہو جاتا ہے، وہ اسلامی

ریاست میں جملہ شہری حقوق سے محروم ہو جاتا ہے۔“

۶ ماضی میں بھی مضمون نگار کے اکثر مضامین مجلہ اشراق کی زینت بنتے رہے ہیں، بعد

ازال وہ مجلہ الشریعہ میں شائع ہوئے ہیں اور توہین رسالت کا حالیہ مسئلہ بھی میں جوں

جولائی کے جن تین مہینوں میں ماہنامہ اشراق میں بحث مباحثہ کا موضوع بنایا گیا ہے،

عین مارچ، اپریل اور جون ۲۰۱۱ء کے مہینوں میں مجلہ الشریعہ نے بھی اس پر چھ عدد

مضامین شائع کئے ہیں۔ دونوں مجلات میں ایام کی یہ مناسبت بھی مشترکہ اہداف کی

غمازی کر رہی ہے، بالخصوص جاوید غامدی نے اپنی تحریر کے آخر میں علماء احناف کو



۱ میزان از جاوید احمد غامدی... طبع دوم: ص ۲۸۳... طبع سوم: ص ۲۱۱

۲ برہان از جاوید احمد غامدی... طبع چہارم: ص ۱۳۳

۳ تفسیر تدریب قرآن زیر آیت سورۃ البقرۃ: ۷۱

غیرت دلانے کی جو کوشش کی ہے، اس کے تناظر میں الشریعہ کے جون کے شمارے میں ان مضامین کی معنویت بالکل واضح ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ فقه حنفی میں تو ذمی کے حوالے سے امتِ مسلمہ سے معمولی اختلاف پایا جاتا ہے جبکہ غامدی حلقة نہ تو ذمی کا قائل ہے اور نہ ارتedad کا، نہ اجماع کا اور نہ ہی رجمن کا، اس کے باوجود حنفی موقف میں ذمی کے بحث کو اچھالانا صرف اضطراب کو پیدا کرنے کے لئے ہے تاکہ اس کے بعد تاویل و توجیہ کا راستہ کھولا جاسکے۔

(ان فکری رجحانات کی تصدیق)

① مضمون نگار کے یہ فکری رجحانات چھپے ہوئے نہیں بلکہ مجلہ 'اجتہاد'، اسلام آباد کے شمارہ نمبر ۵ میں شائع شدہ ان کے مضمون پر جامعہ ابوہریرہ کے مہتمم اور مدیر ماہنامہ القاسم مولانا عبد القیوم حقانی نے اپنی فکر مندی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"اب کے بارے مقالہ پڑھا تو رو ٹکٹھے ہو گئے اور یقین نہیں آرہا تھا کہ کیا واقعتاً بھی عمار خاں ناصر جیسے ذی علم، ذی استعداد اور صاحبِ فضل و مکال ایسی بات لکھ سکتے ہیں۔ اگر یہ بات کسی پرویزی، کسی غامدی، کسی قادیانی، کسی بے دین کالم نویس نے لکھی ہوتی تو بھی کڑھن نہ ہوتی اور نہ اس سلسلہ میں کچھ لکھنے کی ہمت ہوتی کہ بر تن سے وہی پہلتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔ میرے خیال میں آں عزیز کی تحریری کاوشوں سے ملدوں، وہریوں اور نفاذ اسلام کی جدوجہد کے خلاف کام کرنے والے دین دشمنوں بالخصوص قادیانیوں کی مذموم تحریکات کو تقویت ملتی بلکہ ان کی ترجمانی ہوتی ہے۔"

② واضح رہے کہ جناب مضمون نگار کا ایسا ہی تعارف ان کے والدِ گرامی مولانا زاہد الرشیدی اس سے قبل ان الفاظ میں کراچکے ہیں کہ "جاوید احمد غامدی سے ان کا شاگردی کا تعلق ہے، ان کے ادارے سے ان کی جزوی وابستگی ہے اور ان کے بعض افراد سے وہ متاثر بھی ہے۔"

۱ 'علام خاں ناصر؛ کس راستے پر چل نکلے؟'، شائع شدہ ماہنامہ القاسم، نو شہرہ

۲ ماہنامہ 'الشرعیہ'، میں جون ۲۰۰۹ء: ص ۹



ان کے اس تعارف پر حنفی ردو بندی حلقت میں بہت لے دی ہو چکی ہے اور موصوف نے ابھی تک کوئی تشفی بخش جواب یا پیش قدی نہیں کی۔ جو صاحب اس سلسلہ مضامین سے مزید واقفیت حاصل کرنے کے متمنی ہوں، وہ نو شہر کے ماہنامہ القاسم کے شمارہ جون، جولائی اور اگست ۲۰۰۹ء میں چھپنے والی مراسلت کا مطالعہ کریں۔

(۳) نیز اس سلسلے میں وفاق المدارس العربیہ کے باضابطہ ترجمان ماہنامہ 'افق المدارس' ملتان ۲۰۰۹ء میں ان کے رجحانات پر شائع ہونے والا مضمون بھی بصیرت افرزو ہے۔

(۴) توہین رسالت کے انتہاء کے قانون پر مضمون نگار کا یہ موقف نیا نہیں بلکہ وہ ماضی میں بھی اس قانون پر اپنے بے اعتمادی کا اظہار ان الفاظ میں کرچکے ہیں:

"اس کے علاوہ عملاً جن قوانین مثلاً قادیانیوں کے خلاف انتہائی قوانین یا توہین رسالت ﷺ کی سزا پر عمل درآمد پر اصرار کیا گیا، ان کے پس منظر میں زیادہ ترعوای سلطھ پر پائے جانے والے جذبات کا فرماتھے جبکہ حقیقی معاشرتی اصلاح کا پہلو ان میں نمایاں نہ تھا۔"

مذکورہ بالا معمروضات سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ مجلہ الشریعہ میں حنفی موقف کی تحقیق کے نام پر جو مضامین شائع کئے گئے ہیں اور اس کے بعد مدیر مجلہ نے جو تراجمیں تجویز کی ہیں، ان کا تعلق نقد حنفی کی بجائے جناب جاوید احمد غامدی کے افکار سے ہے۔ فقهاء حنفیہ کا موقف اس باب میں بالکل واضح ہے کہ وہ توہین رسالت کی سزاے قتل ہونے کے قائل دواعی ہیں اور شریعت اسلامیہ میں اس کی مقررہ سزا کے معرف ہیں۔ حنفی علماء بھی اس مسئلہ کے بارے میں امت کے اجماعی موقف کو ہی اختیار کیا ہے۔ انہوں نے سزاے موت کا انکار کرتے ہوئے اس جرم کو محاربہ کے تحت لانے کا موقف بالکل نہیں اپنایا۔ جبکہ مضمون نگار فقهاء امت کے بر عکس اس کو اس بنا پر حد قرار نہیں دیتے کیونکہ وہ غامدی صاحب کی طرح حدار تداد کے اس دور میں ناقابل عمل ہونے کے قائل ہیں، اسی بنا پر انہیں کتاب و سنت میں اس کی کوئی اساس نظر نہیں آتی اور اس کی کوئی حد کھائی دینے کی بجائے محض



محاربہ کی سزا ہی نظر آتی ہے۔ حُقْوَّت کے نام پر جاوید احمد غامدی کی یہ نوائی اور ان کے ملحدانہ افکار کے لئے حُقْوَت سے دلائل نکال کر کے پیش کرنا انتہائی افسوس ناک ہے۔ اگر علماء احتجاف میں سے بعض کا موقف قدرے مختلف بھی ہے تو اس کی توجیہ و تحلیل اور مقصد و ہدف اس سے بالکل مختلف ہے جو غامدی پیش نظر رکھے ہوئے ہے۔ ہمیں امید و اثق ہے کہ بعض ظاہری یا جزوی اشتراکات سے بالغ نظر علماء احتجاف قطعاً مغالطہ نہیں کھائیں گے بلکہ مقصد و نتیجہ پر ہی نظر رکھیں گے۔

آخر میں مضمون نگار سے ہمارا سوال ہے کہ

① اگر توہین رسالت کی سزا سے قتل شریعتِ اسلامیہ میں مشہور و مقرر ہے

② اگر فقہ حنفی میں پایا جانے والا اختلاف بھی ذمی کے بارے میں ہی ہے، جبکہ ذمیوں کا پاکستان میں کوئی وجود نہیں ہے

③ اگر صدرِ اول سے آج تک امت اس سزا کے بارے میں متعدد متفق چلی آرہی ہے

④ محاربہ کو کبھی کسی نے اس کی جرم کی اساس کے طور پر پیش نہیں کیا اور کسی نے سزا سے موت کو آپ کی طرح اس جرم کی آخری حد کے طور پر ”گوارا“ نہیں کیا

⑤ امتِ اسلامیہ ارتداد کی سزا کو بھی مانتی ہے اور اجماع کی جیت کو بھی تو پھر اس امتِ محمدیہ کے سامنے وہ کس بنا پر ان ترا میم کو تجویز کر رہے ہیں جس سے مذکورہ بالا سب باتوں کی نقی ہوتی ہے۔ کیا اس طرح وہ اپنے آپ کو مغالطہ دے رہے ہیں، یا امت کے باشمور، صاحبِ ایمان اور مند علم کے حاملین کو؟!

علماء اسلام کو چاہئے کہ پیش کی جانے والی ترا میم کی نوعیت اور رجحان کو پیش نظر رکھتے ہوئے امتِ اسلامیہ کے اجتماعی موقف کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ جو قانون ۲۵ برس قبل پاکستان کے تمام علماء کرام کے اتفاق و اتحاد کے ساتھ توہین رسالت کے انتہاء کے لئے بنایا گیا تھا، وہ کتاب و سنت اور فقہاء امت کی موقف کی عین ترجمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی حفاظت اور اس پر عمل درآمد کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لئے اپنی خدمات پیش کرنے کی ہمت دے۔ آمین!

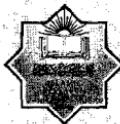


اشاعتِ حنفی اور شمارہ ہذا کی تاخیر؟

گورنر سلمان تاثیر کے قتل کے بعد، فروری ۲۰۱۱ء میں جب محترم محمد عمار خاں ناصر نے مسئلہ توہین رسالت پر کتابچہ تحریر کیا تو رقم کو تبرہ کے لئے ارسال کیا، بعد میں جب یہ کتابچہ روزنامہ 'پاکستان' میں شائع ہوا تو بعض دوستوں نے اس کا جواب لکھنے کا مطالبہ کیا، لیکن رقم نے جب بھی اس تحریر کا مطالعہ کرنا چاہا تو اس میں بیان کردہ توجیہات و تاویلیات کی کثرت اور سزا میں کسی کی ہر ممکنہ کوشش کو محسوس کرتے ہوئے مطالعہ سے طبیعت مکدر ہو جاتی رہی۔ مسی کے مہینے میں حضرت مولانا ارشاد الحق اثری رض نے رقم کو اس طرف متوجہ کیا اور اس کیوضاحت لکھنے کی ہدایت کی اور ساتھ ہی جون ۲۰۱۱ء میں اس کتابچہ کی تائید میں مجلہ الشریعہ میں تین کے قریب مضامین شائع ہوئے تو ناموس رسالت کے تحفظ کی خاطر قلم اٹھائے بنا چارہ نہ رہا۔ ایک مختصر جوابی تحریر سے کام شروع کیا تو یہ تحقیق و تنقید تین تفصیلی مضامین تک پھیلتی چلی گئی۔ ڈیڑھ ماہ قبل یہ مضامین تیار ہو چکے تھے لیکن جواب پر نظر ثانی کے لئے انہیں مولانا اثری کو ارسال کر دیا گیا، مولانا نے اتفاق کرتے ہوئے کمال شفقت سے دو تین حوالہ جات کا اضافہ بھی فرمایا۔

مزید برآں رقم نے فہرے احتاف کے موقف کو نکھرانے کے لئے لاہور میں معروف بریلوی عالم مفتی محمد خاں قادری صاحب سے ملاقات کر کے یہ مضامین ان کو بھی دیے۔ مفتی صاحب سے معلوم ہوا کہ ان کے جامعہ کے ناظم محترم علامہ ظلیل الرحمن قادری اسی کتابچہ کا جواب لکھ رہے ہیں۔ رقم نے اس ارادے سے کہ تحفظ ناموس رسالت کی خاطر لکھ جانے والے مضامین 'محدث' کے ایک ہی شمارے میں بھجا شائع ہوں، ان سے جوابی مضمون کا مطالبہ کر دیا۔ اسی اشاعت میں علم ہوا کہ موقر جریدہ 'ساحل'، کراچی کے مدیر شہیر جناب خالد جامی صاحب بھی اس کتابچہ کے بارے کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ علامہ موصوف کا مضمون ۲۰ دن کے انتظار کے بعد ملا اور جناب جامی صاحب کا مضمون مکمل ہونے میں بھی مزید تاخیر تھی تو رقم کو محدث کا شمارہ جو لائی از سرنو ترتیب دے کر اشاعت کے لئے بھیجا پڑا جو قارئین کو کافی تاخیر سے موصول ہوا۔

اب 'محدث' کے حالیہ شمارے میں علامہ قادری صاحب کی تنقید تو شائع ہو رہی ہے لیکن فالصل مدیر 'ساحل' کا مضمون شمارے کی ضخامت بڑھ جانے کی وجہ سے فی الحال مؤخر کر دیا گیا ہے۔ یوں تو مسئلہ توہین رسالت پر رقم اور قادری صاحب نے شامم کی توبہ کے حوالے سے لکھا ہے، لیکن موضوع اور مخاطب نے اسے ذمی کی سزا اور قادری صاحب نے شامم کی توبہ کے حوالے سے لکھا ہے، ایک موضع اور مقامات پر ایک ہونے کی وجہ کی عبارات میں تکرار و توارد محسوس ہوتا ہے جس کو کم کرنے کے لئے بعض مقامات پر حوالوں پر آتفا کیا گیا ہے جبکہ دونوں مضامین کی ایک ایک بحث حذف کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس علمی کاوش کو خالص اپنی رضا کے لئے قبول و منظور فرمائے۔ [ح]م]



علامہ محمد خلیل الرحمن قادری

گستاخ رسول کی سزا اور احناف کا موقف

[شاتم رسول کی قبولیتِ توبہ کا مسئلہ]

چند ماہ قبل جب ملعونہ آئیہ نسخ کے ساتھ سابقہ گورنر پنجاب سلمان تاشیر نے جیل میں ملاقات کی تو قانون توہین رسالت پر ہرزہ سراہی کرنے والے نام نہاد دانشوروں اور انسانی حقوق کے علمبرداروں کو ایک اور موقع مل گیا کہ وہ اس قانون کو تبدیل کروانے کا معاملہ پھر سے اٹھا سکیں۔ اس دفعہ ان حضرات کی پشت پناہی ایک نام نہاد مذہبی سکالر جاوید غامدی نے کی۔ انہوں نے قانون توہین رسالت پر احناف کے موقف کے حوالے سے اضطراب پیدا کرنے کی سر توڑ کوشش کی۔ دراصل ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ قانون توہین رسالت پر ہرزہ سراہی اور اس میں تبدیلی کا مطالبہ کرنے والوں کو بزعم خویش علمی بنیادیں فراہم کریں تاکہ اہل مغرب ہمارے حکمرانوں پر دباؤ ڈال سکیں کہ اس قانون کو تبدیل کرنا اسلام کے اعتبار سے بھی ناگزیر ہے جبکہ جاوید غامدی کی اس خدمت کے عوض خود انہیں اہل مغرب کی خوشنودی اور مزید قرب حاصل ہو جائے یا کم از کم وہ ان کا حق نمک ہی ادا کر دیں۔

ان کی ان کاوشوں کے تسلیل میں ان کے ایک شاگرد محمد عمار خان ناصر نے ایک کتابچہ شائع کر دیا جس کا عنوان ہے: ”توہین رسالت کا مسئلہ؛ چند اہم سوالات کا جائزہ“، انہوں نے اس کتابچہ میں متعدد مقامات پر دروغ گوئی اور سکتاں حق سے بھی اجتناب نہیں کیا۔ رقم ناچیز اس زہر ناک کتابچہ کا تفصیلی روڑ لکھ رہا ہے تاہم سر دست زیر نظر مضمون میں ان کی وہ آراء زیر بحث ہیں جو انہوں نے احناف کے موقف کے حوالے سے اضطراب پیدا کرنے کے لئے تحریر کیں۔ انہوں نے اپنے اس کتابچہ میں ایک مقام پر لکھا ہے:

”جبہور فقہاء احناف کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وقتی کیفیت کے تحت اس جرم کا ارتکاب کرے اور پھر اس پر اصرار کے بجائے معدترت کارویہ اختیار کرے تو اس سے درگزر کرنا یا لکھی سزادینے پر التفاکر نامناسب ہے۔ البتہ اگر توہین رسالت کا عمل سوچے



سچے منصوبے کے تحت اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجبوح کرنے کی نیت سے دیدہ و دانتہ کیا جائے یادہ ایک معمول کی صورت اختیار کر لے تو عدالت کو قتل کی سزادی نے کا اختیار بھی حاصل ہے۔“

جمهور فقہاء احتفاف کا موقف کیا ہے؟

جمهور فقہاء احتفاف کے حوالے سے انہوں نے جو مذکورہ بالاموقف اختیار کیا ہے، اس کا حقیقت کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ جمهور فقہاء احتفاف یہ موقف رکھتے ہیں کہ گستاخ مسلمان ہو یا کافر، اسے لازماً قتل کیا جائے گا۔ اس سے قبل کہ جید حنفی فقہاء کی تصریحات پیش کی جائیں، یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ احتفاف کا اس مسئلہ پر جمهور فقہاء کے ساتھ، جو گستاخ رسول کو حدأ قتل کرنے کا موقف رکھتے ہیں، کیا کوئی اختلاف ہے بھی یا نہیں؟ اور اگر اختلاف ہے بھی تو اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور اس کا محل کیا ہے؟

جمهور فقہاء تو مسلمان اور ذمی یا معاہد گستاخ دونوں کے لئے یہ موقف رکھتے ہیں کہ انہیں حدأ قتل کیا جائے گا اور نہ تو ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔ وہ اسے گستاخی کی حد قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ ایسے ملعون کو قتل کرنے کے لئے گستاخی کو ایک مستقل علت قرار دیتے ہیں جبکہ احتفاف بھی بھی موقف رکھتے ہیں کہ اسے حدأ قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، البتہ وہ مسلمان گستاخ کی صورت میں اس پر حد ارتدا و کفر کا حکم بھی لگاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا موقف دیگر مذاہب کے مقابلے میں اور بھی سخت ہو جاتا ہے کیونکہ حنبلہ اور موالک کا موقف اتنا ہی ہے کہ گستاخ مسلمان ایک دین سے دوسرا دین میں داخل نہیں ہوا بلکہ اس نے گستاخ رسول کی صورت میں ایک ایسا جرم کیا ہے جس کی سزا ان کے نزدیک یہ ہے کہ اسے حدأ قتل کر دیا جائے جبکہ احتفاف اس پر حد ارتدا کا حکم بھی لگاتے ہیں لیکن وہ گستاخی کی وجہ سے اسے ’رِدة عامہ‘ نہیں بلکہ ’رِدة خاصہ‘ قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک ’رِدة خاصہ‘ کے مرتكب کا حکم زندیق کی طرح ہے کہ اسے لازماً قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک گستاخ مسلمان دائرۃ الاسلام سے خارج نہیں ہوا، اس لیے دنیا میں سزاۓ موت کے بعد وہ آخرت میں بخشش کا امیدوار ہے اور اس کی تکفین و



تدفین بھی مسلمان کی طرح ہی ہو گی۔ جبکہ امامِ عظیمؒ کے نزدیک وہ خاص ارتداء کامر تکب اور زندیق ہونے کے باعث قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں ہے۔ اگر وہ تجدید اسلام کے بغیر مرتا ہے تو وہ بخشش کا امیدوار نہیں ہو سکتا اور نہ ہی حد کے اجر کے بعد اس کی تکفین و تدفین مسلمان کی طرح ہو گی۔

امام محمد بن سحنون کی تصریح

امام محمد بن سخون (وفات ۲۶۵ھ) نے موالک کے مذہب کو یوں واضح کیا:

لَمْ يَزِلَّ القَتْلُ عَنِ الْمُسْلِمِ بِالْتُّوْبَةِ مِنْ سَبِّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، لَأَنَّهُ لَمْ يَنْتَقِلْ مِنْ دِينٍ إِلَى دِينٍ، وَإِنَّمَا فَعَلَ شَيْئًا حَدَّهُ عِنْدَنَا الْقَتْلُ، لَا عَفْوٌ فِيهِ لِأَحَدٍ كَذَلِكَ نَدِيقُ، لَأَنَّهُ لَمْ يَنْتَقِلْ مِنْ ظَاهِرٍ إِلَى ظَاهِرٍ
 ”نَبِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَيْ گَتَّاخِي سَمْلَانُ کَقْلُ تُوبَہُ سے زَائِلٌ نَبِیُّں ہوتا گیونکہ وہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف نہیں منتقل ہوا جبکہ اس نے ایک ایسا عمل کیا، ہمارے نزدیک جس پر قُلْ بُطُورٰ حَدَّبَے اور اسے کوئی معاف نہیں کر سکتا، جیسے زندِیق کو گیونکہ یہ بھی ظَاهِرٍ سے ظَاهِرٍ کی طرف منتقل نہیں ہوا۔“

قاضی عیاض کی تصریح

قاضی عیاض نے امام اعظم اور ان کے اصحاب کے موقف کو جمہور فقہا کے موقف ہی کے مثل قرار دیتے ہوئے یہ فرق بیان کیا ہے کہ احتراف گتابخ ر رسول کو مرتد بھی قرار دیتے ہیں جبکہ سب کے نزدیک دنیا میں تو اس کی سزا ہر حال بھی ہے کہ اس کی توبہ قبول کیے بغیر اسے قتل کر دیا جائے۔ امام سکلی نے ان کا یہ قول یوں نقل کیا ہے:

وقد قال القاضي عياض رحمه الله بعد أن حكى قتله عن جماعة ثم قال: ولا تقبل توبته عند هؤلاء، وبمثله قال أبو حنيفة وأصحابه، والشوري وأهل الكوفة والأوزاعي في المسلمين كلهم قالوا: هي ردة وروى مثله الوليد بن مسلم عن مالك وقال بعد ذلك: ذكرنا الإجماع على قتله، ومشهور مذهب مالك وأصحابه وقول السلف وجمهور العلماء قتله حدا لا كفرًا إن أظهر التوبية وهذا لا تقبل التوبية عندهم

”قاضي عياض ایک جماعت سے حکم قتل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں، ان کے ہاں ان کی



توبہ قبول نہیں۔ اسی کی مثل امام ابو حنفیہ، ان کے اصحاب، امام ثوری، اہل کوفہ اور اوزاعی نے مسلمان گستاخ کے بارے میں کہا اور ان تمام نے فرمایا: یہ ارتاد اے۔ اس طرح کی بات ولید بن مسلم (ت ۱۹۵ھ) نے امام مالک سے بھی نقل کی۔ امام مالک اور ان کے اصحاب کا مشہور مذہب، قولِ سلف اور جمہور علماء کہتے ہیں کہ یہ قتل بطور حد ہے نہ کہ بطور کفر، اگرچہ وہ توبہ کا اظہار کرے اور اسی لئے ان کے ہاں توبہ قبول نہیں۔“^{۱۰}

فقہاء احناف کی تصریحات

اب ہم فقہاء احناف کی تصریحات پیش کرتے ہیں:

① فقہ حنفی کے بڑے امام ابو العباس احمد بن محمد بن ناطقی حنفی (ت ۵۲۳ھ) نے اپنی کتاب ‘اجناس ناطقی’ میں لکھا ہے جسے دسویں صدی ہجری کے عظیم حنفی امام قاضی عبد العالی بن خواجه بخاری نے اپنی کتاب فتاویٰ حسب المفتین میں ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

أَمَا إِذَا سَبَّ رَسُولَ اللَّهِ أَوْ وَاحِدَ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ يُقْتَلُ حَدًّا وَلَا تُوَبَّةُ لَهُ أَصْلًا سَوَاءً بَعْدَ الْقُدْرَةِ وَالشَّهَادَةِ أَوْ جَاءَ تَائِبًا مِنْ قَبْلِ نَفْسِهِ كَالْزَنْدِيقِ لِأَنَّهُ حَدٌّ وَجْبٌ فَلَا يَسْقُطُ بِالْتُّوَبَةِ كُسَارَى حَقْوقِ الْأَدْمِينَ وَكَحْدِ الْقَذْفِ وَبِخَلْفِ الْإِرْتَدَادِ لِأَنَّهُ يَتَفَرَّدُ بِهِ الْمُرْتَدُ لَا حَقٌّ فِيهِ لِغَيْرِهِ مِنَ الْأَدْمِينَ وَلَهُذَا قَلْنَا إِذَا شَتَمَهُ

”جب کسی نے رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی نبی کو گالی دی تو اس کو حداً قتل کیا جائے گا خواہ حراست میں لیے جانے یا گواہی کے بعد وہ گستاخ توبہ کرے یا خود بخود توبہ کے لئے پیش ہو جائے، اسے زندیق کی طرح ہر حال میں قتل کر دیا جائے گا کیونکہ یہ قتل اس گستاخ کی حد ہے پس توبہ سے ساقط نہیں ہوگی جیسا کہ آدمیوں کے باقی حقوق جس پر حق ہو، اس کی توبہ سے ساقط نہیں ہوتے اور جیسا کہ حد قذف ہے۔

گستاخ کا مسئلہ عام مرتد جیسا نہیں ہے کیونکہ عام مرتد کا فعل اسکا انفرادی فعل ہے جس سے کسی آدمی کا کوئی حق متاثر نہیں ہوتا (لہذا اس کی توبہ قبول ہے مگر گستاخ کی توبہ قبول نہیں ہے کیونکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا حق متاثر ہوا ہے) اسی لیے کسی نے حالتِ نشہ میں گستاخی کی پھر بھی اسے معاف نہیں کیا جائے گا اور حداً ہی قتل کیا جائے گا۔“

اس کے بعد انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں واضح کیا ہے:



هذا مذهب أبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه والإمام الأعظم
”يَهُ حَضْرَتُ أَبِي بَكْرَ صَدِيقَ الْمُسْلِمِينَ أَعْظَمَ أَبْوَيْنِيْهِ رَحْمَةُ اللَّهِ كَافِدَةً هُوَ“
اسی مقام پر امام عبد المعالی بخاریؓ نے علامہ علم الہدیؓ کی ”الحر الحيط“ سے نہایت قبل
غور اقتباس نقل کیا ہے:

مَنْ شَاتِمَ النَّبِيَّ أَوْ أَهَانَهُ أَوْ عَابَ فِي أَمْوَارِ دِينِهِ وَفِي شَخْصِهِ أَوْ
فِي وَصْفِ مِنْ أَوْصَافِ ذَاتِهِ سَوَاءً كَانَ الشَّاتِمُ مثلاً مِنْ أَمْتَهُ أَوْ مِنْ
غَيْرِهَا، وَسَوَاءً كَانَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أَوْ غَيْرِهِ، ذَمِيًّا كَانَ أَوْ حَرَبِيًّا،
وَسَوَاءً كَانَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ الشَّتَمُ أَوْ الإِهَانَةُ أَوْ الْعِيبُ صَادِرًا
عَنْهُ عَمَدًا أَوْ قَصْدًا أَوْ سَهْوًا وَغَفْلَتِهِ أَوْ حَبًّا أَوْ هَزْلًا فَقَدْ كَفَرَ
خَلْوَدًا بِحِيثَ إِنْ تَابَ لَمْ يَقْبِلْ تَوبَتِهِ أَبَدًا لَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَا عِنْدَ النَّاسِ
وَحِكْمَهُ فِي الشَّرِيعَةِ الْمُطَهَّرَةِ عِنْدَ مُتَّاخِرِيِّ الْمُجَاهِدِينَ إِجْمَاعًا وَعِنْدَ
أَكْثَرِ الْمُتَقْدِمِينَ الْقَتْلُ قَطْعًا. وَلَا يَدَاهُنَ السُّلْطَانُ أَوْ نَائِبُهُ فِي حُكْمِ
قَتْلِهِ، أَفْمَنْ فَاتَ فِي قَتْلِهِ وَانْدَادِهِ الْمُصَالِحُ الدِّينِيَّةُ كَتْلُ الْقَضَاءِ وَالْوَلَاةِ
وَالْعَمَالِ وَإِنْ أَهْمَلُوا فَقَدْ رَهَنُوا بِهَا صَدْرَهُ مِنَ الشَّتَمِ مثلاً وَهُوَ كُفَّرٌ

فِهِمْ رَضُوا بِالْكُفَّرِ وَالرَّاضِيُّ بِالْكُفَّرِ وَالرَّاضِيُّ كَافِرُ فِهِمْ كَافِرُونَ

”جس بندے نے رسول اللہ ﷺ کو گالی دی یا آپ کی ہمات کی یا آپ کے دین، خفیت
یا اوصاف میں سے کسی وصف کو عیب والا یا خواہید گالی دینے والا آپ کی امت سے ہو یا
غیر، اہل کتاب سے ہو یا غیر، ذمی ہو یا حربی خواہ اس نے گالی رہمات یا عیب لگانے کی بات
عدم آیا قصد اکی ہو یا سہوا غفلت سے کی ہو، سنجیدگی سے کی ہو یا مذاق میں۔ پس اس نے
ہمیشہ کافر کیا یعنی اگر وہ توبہ کرے تو کبھی بھی اس کی توبہ قبول نہیں ہو گئی، نہ اللہ تعالیٰ کے
نژدیک اور نہ ہی بندوں کے نژدیک۔ متاخرین مجتهدین کے نژدیک بالاجماع اور اکثر
متقدیمین کے نژدیک شریعت میں اس کا حکم قتل ہے۔ بادشاہ یا اس کا نائب اس گتاخ کے
قتل میں فریب کاری سے کام نہ لیں اگرچہ اس گتاخ کو قتل کرنے کی پاداش میں بہت سے
دنی مصالح بھی فوت ہو جائیں جیسا کہ قاضیوں، والیوں اور سرکاری اہلکاروں کا قتل ہے،
پھر بھی بادشاہ اسے زندہ نہ چھوڑے اور اگر حکومت نے اسے زندہ چھوڑ دیا تو حکمران اس
کے کفر پر راضی ہو گئے یعنی جو اس سے توبین کا صدور ہوا تھا، یہ کفر ہے اور کفر پر راضی





ہونے والا بھی کافر ہوتا ہے پس وہ بھی کافر ہوں گے۔”^۱

② امام ابو بکر جصاص حنفی (ت ۷۰۳ھ) فرماتے ہیں:

فإذا ثبت ذلك كان من أظهر سب النبي ﷺ من أهل العهد ناقضاً

للعهد إذ سب رسول الله ﷺ من أكثر الطعن في الدين

”جب یہ ثابت ہو گیا کہ ذمی شخص نبی کریم ﷺ کو گالیاں دے تو وہ عہد توڑنے والا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینا دین میں طعن کرنے سے زیادہ برا ہے۔“

③ مجتهد کی شان رکھنے والے عظیم فقیہ امام ابن الہام (ت ۸۶۱ھ) جنہیں بجا طور پر محقق علی الاطلاق کہا جاتا ہے، اپنی کتاب ”فتح القدير“ میں فرماتے ہیں:

كل من أبغض رسول الله ﷺ بقلبه كان مرتدًا فالساب بطريق

أولى ثم يقتل حداً عندنا فلا تقبل توبته في إسقاط القتل... وإن

سب سكران ولا يغفر عنه^۲

”ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ سے دل میں بغض رکھے۔ وہ مرتد ہے اور آپ کو سب و شتم کرنے والا تو بد رجہ اولی مرتد ہے اسے بطور حد قتل کیا جائے گا، سزاے قتل کے استقطاب میں اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگرچہ حالتِ نشہ میں کلمہ گستاخی بکا، جب بھی معاف نہ کیا جائے گا۔“

امام ابن الہام^۳ نے گستاخ ذمی اور معاهد کا عہد ٹوٹ جانے اور اس کے مباح الدم ہونے کا قول بھی کیا ہے:

والذى عندي أن سبه عليه السلام أو نسبة ما لا ينبغي إلى الله تعالى

إن كان مما لا يعتقدونه كنسبة الولد إلى الله تعالى وتقدير عن ذلك

إذا أظهر يقتل به وينقض عهده^۴

”میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ (ذمی) نے اگر حضور ﷺ کی اہانت کی یا اللہ تعالیٰ کی طرف غیر مناسب چیز منسوب کی جو کہ (مسلمانوں) کے معتقدات سے خارج ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا، حالانکہ وہ اس سے پاک ہے، جب وہ اس کا اظہار



۱ فتاویٰ حسب المفتیین: ۲۳۶/۲، ۲۳۷/۲

۲ احکام القرآن للجصاص: ۲۷۵/۳

۳ فتح القدير: ۹۱/۲

۴ فتح القدير: ۵۹/۲

کرے تو اس کا عہد ثوٹ جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔

(۳) امام محمد بن محمد شہاب کردی حنفی ابن بزار (ت ۸۲۷ھ) نے بھی اس مسئلہ پر بالتفصیل روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:

وزال عنه موجب الكفر والارتداد وهو القتل إلا إذا سبّ
الرسول ﷺ أو واحد من الانبياء عليهم الصلوة والسلام فإنه
يقتل حداً ولا توبة له أصلاً سواء بعد القدرة عليه الشهادة أو جاء
تايباً من قبل نفسه كالزنديق لأنه حدّ وجوب فلا يسقط بالتوبة
كسائر حقوق الأدميين، وكحد القذف لا يسقط بالتوبة بخلاف
ما إذا سبّ الله تعالى ثم تاب لأنه حق الله تعالى ولأن النبي عليه
السلام بشر والبشر جنس يلحقهم المرة إلا من أكرمهم الله تعالى
والباري متزه عن جميع المعايب، وبخلاف الارتداد لأنه معنى
يتفرد المرتد لا حق فيه لغيره من الأدميين. ولكننا إذا شتمه
عليه السلام سكران لا يعفى ويقتل أيضاً حداً وهذا مذهب أبي
بكر الصديق رضي الله عنه والإمام الأعظم والثورى وأهل
الكوفة والمشهور من مذهب مالك وأصحابه.

(عام) مرتد سے کفر اور ارتاد کا موجب زائل ہو جائے گا مگر جب کسی نے رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی نبی علیہ السلام کو گالی دی تو اس کو حدّ قتل کیا جائے گا خواہ حرست میں لیے جانے یا گواہی کے بعد وہ گتاخ توبہ کرے یا خود بخود توبہ کے لئے پیش ہو جائے، اسے زندقی کی طرح ہر حال میں قتل کر دیا جائے گا کیونکہ یہ قتل اس گتاخ کی حد ہے، پس توبہ سے ساقط نہیں ہوتے اور جیسا کہ حد قذف ہے۔ بخلاف اس صورت کہ جب اللہ تعالیٰ کی گتاخی کی پھر توبہ کر لی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور نبی علیہ السلام انسان ہیں اور انسان کی جنس کو عار لاحق ہوتی ہے، البتہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے معزز بنایا، باری تعالیٰ ان تمام عیوب سے منزہ ہے، بخلاف ارتاد کے کیونکہ اس میں محض وہی ارتاد ہوتا ہے جس میں کسی آدمی کا حق متعلق نہیں ہو سکتا۔ البتہ ہم واضح کر رہے ہیں کہ جب کسی نے حالتِ نشہ میں گتاخی کی تو اسے معاف نہیں کیا جائے گا، اسے بھی حدّ قتل کیا جائے گا۔ یہی مذہب ابو بکر صدیق، امام اعظم، ثوری اور اہل کوفہ کا ہے اور یہی مالک اور اسکے اصحاب کا مشہور مذہب ہے۔

(۵) امام خیر الدین رملی حنفی (ت ۸۱۰ھ) لکھتے ہیں کہ ہر مرتد کی توبہ قبول ہے مگر





إِذَا سَبَ الرَّسُولَ أَوْ وَاحِدًا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَإِنَّهُ يُقْتَلُ حَدًّا وَلَا تُوَلِّهُ لَهُ أَصْلًا... وَلَا يَتَصَوَّرُ فِيهِ خَلَافٌ لِأَحَدٍ لَأَنَّهُ حَقٌّ تَعْلَقُ بِهِ حَقُّ الْعَبْدِ فَلَا يَسْقُطُ بِالْتَّوْبَةِ كُلُّ أَنْوَاعِ الْأَدْمِينِ ... هَذَا مَذْهَبُ أَبِي بَكْرِ الصَّدِيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَالْإِمَامُ الْأَعْظَمُ وَالثُّوْرِيُّ وَأَهْلُ الْكُوفَةِ وَالْمَشْهُورُ مِنْ مَذْهَبِ مَالِكٍ وَأَصْحَابِهِ' " جس نے رسول اللہ ﷺ اور انبياء علیهم السلام سے کسی نبی کی گتائخ کی تو اسے بطور حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ مقبول نہیں اس بارے میں کسی کا اختلاف متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے حق بندہ متعلق ہے تو وہ بندوں کے دوسرا حقوق کی طرح توبہ سے ساقط نہیں ہو گا.... یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، امام اعظم ابو حنیفہ، اہل کوفہ کا مذہب ہے اور یہی امام مالک اور آپ کے اصحاب کا مشہور مذہب ہے۔"

(۷) امام زین الدین بن ابراہیم المعروف بـ ابن حبیم حنفی (ت ۷۰۹ھ) فرماتے ہیں کہ 'ساب النبی' کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی:

لَا تَصْحُ رَدَّةُ السَّكْرَانِ إِلَّا الرَّدَّةُ بِسَبِّ النَّبِيِّ فَإِنَّهُ يُقْتَلُ وَلَا يُعْفَى عَنْهُ كَذَا فِي الْبِزَازِيَّةِ. كُلُّ كَافِرٍ تَابَ فَتُوَبَّتْهُ مَقْبُولَةٌ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ إِلَّا جَمَاعَةُ الْكَافِرِ بِسَبِّ النَّبِيِّ، وَإِذَا ماتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رَدِّهِ لَمْ يُدْفَنْ فِي مَقَابِرِ الْمُسْلِمِينَ، وَلَا أَهْلَ مَلْتَهِ وَإِنَّمَا يُلْقَى فِي حَفِيرَةِ الْكَلْبِ' "نشہ کی حالت میں ارتاد صحیح سہ مانا جائے گا مگر حضور ﷺ کی ہانت حالت نشہ میں بھی کی جائے تو اسے معافی نہ دی جائے گی جیسا کہ بزاریہ میں ہے۔ ہر کافر کی توبہ دنیا و آخرت میں مقبول ہے مگر کافروں کی وہ جماعت جس نے حضور ﷺ کو گالی دی اس کی توبہ قبول نہیں جب وہ شخص مر جائے یا مرتد کے طور پر قتل کر دیا جائے اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنے کی اجازت نہیں، نہ اہل ملت (یہودی، نصرانی) کے گورستان میں، بلکہ اسے کتنے کی طرح گڑھے میں پھینک دیا جائے گا۔"

(۸) امام محمد بن عبد اللہ حنفی ترمذی (ت ۱۰۰۲ھ) اسے حد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

كُلُّ مُسْلِمٍ ارْتَدَ فَتُوَبَّتْهُ مَقْبُولَةٌ إِلَّا الْكَافِرِ بِسَبِّ النَّبِيِّ



”جو مسلمان مرتد ہو جائے اس کی توبہ مقبول ہے مگر توہین کرنے والے کافر کی توبہ قبول نہیں جائے گی۔“

⑧ اس کی شرح میں امام حسکفی حنفی (ت ۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:

(کل مسلم ارتد فتویتہ مقبولہ إلا) جماعة: من تكررت ردته على ما مرّ و (الكافر بسبب نبی) من الأنبياء فإنه يقتل حدًا ولا تقبل توبته مطلقاً

”ہر مرتد مسلمان کی توبہ مقبول ہے مگر ان لوگوں کی نہیں جن کا مرتدار دوبارہ ہوا اور کسی نبی کی گستاخی کرنے کی وجہ سے ہونے والا کافر کیونکہ اسے بطور حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ کسی حال میں قول نہیں کی جائے گی۔“

⑨ حضرت مولیٰ خسرو (ت ۸۸۵ھ) فرماتے ہیں:

إذا سبه أو واحداً من الأنبياء صلوات الله عليهم أجمعين مسلم فإنه يقتل حدًا ولا توبية له أصلاً سواء بعد القدرة عليه والشهادة أو جاء تائياً من قبل نفسه كالزنديق لأنه حد وجب فلا يسقط بالتبعة ولا يتصور خلاف لأحد لأنه حد تعلق به حق العبد فلا يسقط بالتوبه كسائر الآدميين وكحد القذف لا يزول بالتوبه قلنا إذا شتمه سكران لا يعفى ويقتل أيضاً حدًا وهذا مذهب أبي بكر الصديق رضي الله عنه والإمام الأعظم والثوري وأهل الكوفة والمشهور من مذهب مالك وأصحابه

”جو شخص نبی کریم ﷺ یا انبیاء کرام میں سے کسی کی اہانت کا مرتكب ہو وہ مسلم کہلاتا ہو، اسے بطور حد قتل کیا جائے گا، اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں، وہ تائب ہو کر آئے یا گرفتار ہونے کے بعد توبہ کرے، زندیق کی طرح اس کی توبہ قول نہیں اس لیے کہ حد واجب ہے اور توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اس میں اختلاف نہیں، اس لیے کہ یہ ایسا حق ہے جو حق عبد کے ساتھ متعلق ہے اور دیگر حقوق العباد کی طرح توبہ سے ساقط نہیں ہو گا، یہی حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتی، اگر کوئی حالت نشہ میں بھی تنقیص کرے تو معافی نہ دی جائے گی، اور اسے بطور حد قتل کیا جائے گا، یہی مذهب حضرت ابو بکر صدیق ؓ کا





ہے اور امام اعظم، ثوری، اہل کوفہ، امام بالک اور ان کے اصحاب کا بھی یہی موقف ہے۔“

(۱۰) امام بدر الدین عین حنفی (ت ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

ولکن أنا معه في جواز قتل الساب مطلقاً

”تاہم میں مطلقاً ہر شامِ رسول کو قتل کرنے کے حق میں ہوں۔“

اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

”توبین رسالت کی وجہ سے مومن کا ایمان نہیں رہتا تو ذمی کے لئے اماں کیسے باقی رہ جائے گی؟ کیونکہ مسلمان جب رسول اللہ ﷺ کو گالی دے تو کافر ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر حاکم بھی ایسا کرے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے گا جو ویسے ہی مجرم اور دین کا دشمن ہو یعنی ذمی اگر وہ توبین کرے تو اسے کیسے چھوڑ دیا جائے گا؟“^۱

(۱۱) امام عبد اللہ بن محمد سلیمان حنفی (ت ۷۸۰ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا سَبَهَ الْجَنَاحُ أَوْ وَاحِدًا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مُسْلِمٌ وَلَا سَكْرَانٌ فَلَا تُوبَةَ لِهِ
أَصْلًا لَا تَنْجِيهَ كَالْزَنْدِيقِ وَمَنْ شَكَ فِي عِذَابِهِ وَكَفَرَهُ فَقَدْ كَفَرَ
”جو مسلمان کھلا کر نبی کریم ﷺ یا کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے، اگرچہ حالتِ نشہ
میں ہو، تو زنداقی کی طرح اس کی توبہ کو بھی قبول نہیں کیا جائے گا جو اس کے عذاب
اور کفر میں شک کرے وہ خود بھی کافر ہے۔“

(۱۲) شاہ عنایت قادری (ت ۱۱۳۸ھ) فرماتے ہیں:

”گتائِ رسول کی سزا کے بارے میں جو ہم تک معتبر روایات پہنچی ہیں، وہ فتاویٰ ذخیرہ میں ہیں۔ ان میں یہ ہے کہ گتائِ رسول کوئی بھی ہو خواہ مسلمان ہو یا ذمی اس کی شرعی حدیہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا اور اس کے لئے توبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ انہوں نے اسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور امام اعظم ابو حنفیہ رضی اللہ عنہ کا مذہب قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ہو

”مذهب أبي بكر والإمام الأعظم“

”یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور امام اعظم کا مذہب ہے۔“

ان کے علاوہ بھی کئی احتفاف فرمہانے یہی مذہب اختیار کیا ہے اور اسے اختیار کرنے کی



۱ عمدة القاري: ۳۳۸/۱۹

۲ رمز الحقائق شرح نظر الدليل: ۲۸۵/۱

۳ مجمع الانہار: ۶۷۷/۱

۴ غایۃ الحواشی: ۲۳۰

وجہ بھی بیان فرمادی ہے کہ یہ مذهب حضرت ابو بکر صدیق رض اور حضرت امام ابو حنفیہ رض کا ہے۔ طوالت کے خوف سے تفصیلی عبارات کی وجایے ان میں سے بعض کے محض تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ مثلاً علامہ حسن شربنلائی و علامہ یوسف اخی اور علامہ ابو عبد اللہ رض نے یہی موقف اختیار کیا ہے کہ گتابخ رسول کا حکم عام مرتد کی طرح نہیں کیونکہ اس کی توبہ کسی صورت میں بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

﴾ حنفی مفسرین کی تصریحات ﴿

اب دو جلیل القدر حنفی مفسرین کے حوالہ جات بھی ملاحظہ فرمائیں:

① قاضی ثناء اللہ پانی بتی حنفی فرماتے ہیں:

من آذی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بطنع فی شخصه او دینه او نسبه او صفتہ من صفاتہ او بوجه من وجوہ الشین فیه صراحه او کنایہ او تعزیضاً او إشارة کفر ولعنة الله في الدنيا والآخرة وأعد له عذاب جہنم، وهل يقبل توبته؟

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، دین، نسب یا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صفت پر طعن کرنا اور صراحتاً یا کنایۃ یا اشارۃً یا بطور تعریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہتے چینی کرنا اور عیب نکالنا کفر ہے۔ ایسے شخص پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت اور اس کے لیے عذاب جہنم ہے، کیا اس کی توبہ قبول ہوگی؟“

اس کے بعد انہیوں نے ابن الہام اور امام خطابی کے اقوال نقل کر کے تصریح کی ہے کہ اسے حداً قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ مقبول نہیں ہے۔

② علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں:

واعلم أنه قد اجتمعت الأمة على أن الاستخفاف بنبينا وبأى نبى كان من الأنبياء، كفر سواء فعله فاعل ذلك استحللاً أم فعله معتقداً بحرمه ليس بين العلماء خلاف في ذلك والقصد للسب وعدم القصد سواء إذ لا يعذر أحد في الكفر بالجهالة ولا بدعي

زلل اللسان إذا كان عقله في فطرته سليماً

” تمام علمائے امت کا اجماع ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کوئی اور نبی علیہ السلام ہوں،





ان کی ہر قسم کی تقدیص و اہانت کفر ہے، اس کا قائل اسے جائز سمجھ کر گستاخی کرے یا اسے حرام سمجھے، قصد اگستاخی کرے یا بلا قصد، ہر طرح اس پر کفر کا فتویٰ ہے۔ شان نبوت کی گستاخی میں لا علیٰ اور جہالت کا غذر نہیں سنائے گا، سبقت لسانی کا غذر بھی قابل قبول نہیں، اس لیے کہ اس کی عقل فطرت سلیمانیہ پر ہے۔“^۱

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ احتاف فقہا کی اکثریت گستاخ رسول کو خاص مرتد اور زنداق سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے یہ فقہاء کرام نہ تو ایسے ملعون کو معاف کرنے اور نہ ہی اسے قتل سے کم سزاد یعنی کاموقف رکھتے ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ جناب عمار خاں ناصر نے کون سے جمہور فقہاء احتاف کی یہ رائے لکھی ہے کہ ”اگر کوئی شخص وفتیٰ کیفیت کے ساتھ اہانتِ رسول کا ارتکاب کرے اور پھر اس پر اصرار کی بجائے معدۃت کا راستہ اختیار کرے تو اس پر در گزر کرنا اور اسے بلکی سزاد یعنی مناسب ہے اور یہ کہ اگر توہین رسالت کا عمل سوچے سچے منصوبے کے تحت اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات محروح کرنے کے لئے دیدہ و دانستہ کیا جائے اور وہ ایک مستقل معقول کی صورت اختیار کر لے تو عدالت کو قتل کی سزاد یعنی کا اختیار بھی حاصل ہے۔“ ان کی اس تحریر کی ایک ایک سطر میں کئی مغالطے پہنچاں ہیں۔

قتل سے کم تر سزا کیاں سے ثابت ہے؟

۸۲

موسوف کا یہ کہنا کہ عدالت اسے قتل تک کی سزاد ہے سکتی ہے، بھی نہایت مغالطہ انگیز ہے، اس کی سزا قتل ہونے پر تو امت کا اجماع ہے۔ پھر حضور ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں گستاخ رسول کے بارے میں دو قسم کے رد عمل دکھائی دیتے ہیں یا تو اس جرم پر حضور ﷺ نے سزادے موت دی یا پھر مجرم کو معاف کر دیا، موت سے کم تر سزاد یعنی پر موسوف کے پاس اگر حضور ﷺ کا کوئی قول یا فعلی حکم ہو تو اسے ضرور سامنے لاگیں۔ ہاں معافی دینے کی مثالیں موجود ہیں اور اس کا سبب بالکل واضح ہے کیونکہ حضور ﷺ کو اختیار تھا کہ وہ کسی مجرم کو سزادیں یا معاف فرمائیں، اسی طرح فقہاء کرام میں سے کسی ایک نے بھی مسلمان گستاخ رسول کو قتل کرنے سے کم تر سزا کا موقف پیش نہیں کیا۔



ہاں ان چند فقہاء احتاف نے جنہوں نے گستاخی رسول کے مرتكب پر ردة عاملہ کا

اگست
2011

۱ روح البیان: ۵۰۳/۳

۲ تفصیل کے لئے دیکھیں شمارہ ہذا صفحہ نمبر ۳۸۶۳۲

اطلاق کیا، انہوں نے اس کی توبہ قبول کرنے کی بات بھی کی۔ کیونکہ وہ ایسی بات کرنے میں حق بجانب تھے لیکن انہوں نے بھی یہ واضح کر دیا کہ اگر وہ توبہ نہیں کرتا تو اسے قتل کیا جائے گا۔ البتہ ان سے تسامح ہوا کہ انہوں نے اسے ردة عامہ سمجھا حالانکہ امام اعظم کے مذہب کے مطابق یہ ردة خاصہ تھی جس کا حکم زندیق کی طرح ہے اور اسے ہر حال میں قتل کیا جائے گا اس کی توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

امام شامیؒ کے چند تناقضات

چنانچہ امام ابن عابدین شامیؒ سے پہلے درجن سے زائد جید فقهاء احتفاف نے، جن کا تذکرہ ہم نے اوپر کیا ہے، ردة عامہ اور ردة خاصہ میں فرق کرتے ہوئے امام اعظم کے اصل موقف کو اجاگر کیا اور تقریباً کبھی نے یہ تصریح کی کہ یہی امام اعظم کا مذہب ہے۔
ہم نے جو فقهاء احتفاف کی عبارت میں اوپر نقل کی ہیں، ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گتارخ رسول کی سزا کو حد مانتے اور گتارخ معابد کا نقض عهد تسلیم کرنے کا موقف متقدمین فقهاء احتفاف سے چلا آ رہا ہے جیسا کہ امام محمد بن ناطقؓ حنفیؓ اور امام ابو بکر جصاصؓ حنفیؓ بلکہ خود امام محمدؓ کی عبارت سے واضح ہو رہا ہے:

ذكره (الإمام محمد) في السير الكبير فيدل على جواز قتل الذمي
المنهي عن قتلها بعقد الذمة إذا أعلن بالشتم أيضاً، واستدل لذلك
في شرح السير الكبير بعدة أحاديث، منها حديث أبي إسحاق
الهمداني قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ وقال سمعت امرأة من
يهود وهي تست Monk والله يا رسول الله إنها لمحنة إلى فقتلتها
فأهدر النبي ﷺ دمها!

”امام محمد نے ‘السیر الكبير’ میں لکھا کہ اس میں دلالت ہے کہ ذمی کو بوجہ عہد ذمہ قتل سے امان مل چکی تھی جب وہ اعلانیہ حضور نبی کریم ﷺ کی اہانت و تحقیص کا مرکب ہوتا سے قتل کر دیا جائے گا۔ اس پر شرح السیر الكبير میں کئی احادیث سے ذمی کے قتل پر استدلال کیا۔ ان میں ایک ابو الحسن ہمدانی کی روایت ہے، ایک شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی! یا رسول اللہ ﷺ! ایک یہودی عورت میری محسنہ تھی لیکن وہ آپ کو سب و شتم کرتی تھی، میں نے اسے قتل کر دیا حضور ﷺ نے اس کے خون کو ضائع



قرار دیا۔“

فقہائے احتجاف کی نہ کوہہ بالا تصریحات کا بغور جائزہ لینے کے بعد یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ امام ابن عابدین شاہیؒ کا یہ قول بھی درست نہیں کہ احتجاف میں سے گستاخ مسلمان یا کافر کی توبہ قبول نہ کرنے اور اسے حداً قتل کرنے کا موقف سب سے پہلے امام ابن براز نے اختیار کیا کیونکہ وہ تو ۸۲ھ کے فقیرے ہیں جب کہ اوپر نقل کردہ متفقہ میں احتجاف کی عبارتوں سے یہ بخوبی واضح ہو رہا ہے کہ یہ موقف امام ابن براز سے پہلے کئی متفقہ میں احتجاف نے بھی اختیار فرمایا۔ اسی طرح امام شاہیؒ کا یہ فرمانا بھی دراصل ان کا تاسع ہے کہ احتجاف میں سے امام ابن براز نے یہ موقف سب سے پہلے اختیار کیا اور بعد میں آنے والے فقہائے احتجاف نے بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے اس غلط موقف کو اختیار کر لیا۔ کیونکہ اگر ان کی یہ بات درست مان لی جائے تو امام ابن الہام اور علامہ بد ر الدین عینیؒ جیسے حنفی علماء جو کہ ابن براز کے ہم عصر تھے، ان کے بارے میں یہ بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ انہوں نے بلا تحقیق اپنے ہی ایک ہم عصر کی تحقیق کو قبول کر لیا حالانکہ امام ابن الہامؒ کو احتجاف محقق علی الاطلاق کہتے ہیں اور بلاشبہ ان کا علمی پایہ امام ابن براز سے بلند تر ہے، اسی طرح اس بدگمانی کا سلسلہ بعد میں آنے والے فقہائے کرام تک بھی جا پہنچتا ہے جن میں ابن خثیم جیسے محقق بھی شامل ہیں جنہیں ہم ابو حنیفہ ثانی کا القلب دیتے ہیں پھر امام عبد اللہ بن محمد سلیمان حنفی، حضرت ملا خرسو، امام عبد العالی بخاری، امام حنفی، امام ابن عبد اللہ تم رتاشی، امام خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر فقہائے احتجاف کے بارے میں کیسے مگان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس حاس مسئلے پر بلا تحقیق کمکھی پر کمکھی مارتے رہے۔ (العیاذ بالله) جبکہ انہوں نے اپنے اپنے انداز میں بڑی مدد لکھنگو کی ہے اور حسب ضرورت امام عظیم اور متفقہ میں فقہاء احتجاف کے موقف ہی کی تو توضیح و تشریع بھی کی ہے۔ ان کی کتب سے جو نہ کوہہ بالا اقتباسات پیش کیے گئے ہیں، ان سے ایک عام قاری بھی بخوبی یہ بات اخذ کر سکتا ہے کہ ان جید فقہائے احتجاف نے محض تقليد کے طور پر نہیں بلکہ کتاب و سنت کے دلائل اور تحقیق کی روشنی میں اسے سیدنا ابو بکرؓ اور امام عظیمؒ کا موقف سمجھتے ہوئے اختیار فرمایا۔

امام ابن عابدین شاہیؒ کا یہ کہنا بھی ان کے تاسع پر دلالت کرتا ہے کہ امام ابن براز نے حتابله اور موالک والا مذہب اختیار کر لیا اور ان کی پیروی کرتے ہوئے بعد میں آنے والے فقہاء علامہ خرسو، ابن الہام، ابن خثیم، تم رتاشی اور علامہ خیر الدین وغیرہ نے بھی بھی موقف



اپنا لیا۔ کیونکہ ان تمام جید فقہاء کرام نے احتفاف کے اصل موقف سے سرمو بھی اختلاف نہیں کیا۔ ان کے فتاویٰ ہم نے اوپر نقل کر دیے ہیں جن سے چند امور بالکل واضح ہو جاتے ہیں:

① انہوں نے گستاخِ رسول کو حنابله اور موالک کے موقف کے بر عکس مرتد ہی قرار دیا ہے البتہ انہوں نے احتفاف کے اصل موقف کے مطابق اس پر ردة خاصہ کا اطلاق کیا ہے۔

② انہوں نے ردة خاصہ کی وجہ سے اسے زندیق قرار دیا ہے اور اسے لازماً قتل کرنے اور اس کی توبہ قبول نہ کرنے کا موقف اختیار کیا ہے جبکہ موالک اور حنابله اس لیے توبہ کو قبول نہیں کرتے اور اسے لازماً قتل کرنے کا موقف رکھتے ہیں کیونکہ وہ اسے گستاخی پر ایک الگ اور مستقل حد قرار دیتے ہیں جو توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

③ انہوں نے جہاں حداً قتل کرنے کی بات کی ہے وہاں یہ تصریح بھی کی ہے کہ اس سے حق آدمی متعلق ہے، اس لیے بندوں کے دوسراے حقوق کی طرح یہ سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوگی۔ اور یہی امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ ان کا اس سزا کو حد قرار دینا موالک اور حنابله کی طرز پر نہیں ہے بلکہ وہ اسے حد ارتاد و کفر ہی قرار دیتے ہیں لیکن ردة خاصہ کی بنابر چونکہ گستاخ ملعون زندیق ہو جاتا ہے اور اس سے حق آدمی متعلق ہو جاتا ہے، اس لیے اس کی توبہ مقبول نہیں اور اسے عام مرتد کے بر عکس ہر حال میں قتل کیا جائے گا تو گویا یہ حد کفر و ارتاد ہوئی۔

صاحب نیم الریاض کی تصریح ملاحظہ فرمائیں:

(لکن معنی یرجع) ویعود (إلى تعظیم حرمته) وحفظ مقامه باحترامه و توقیره یرجع إلى (زوال المرة) والنقص اللاحق (به) وذلك لاستقطه التوبۃ لأنہ متعلق بعرضه فهو حق له كحقوق الآدميين وهذا هو القول الصحيح عند أبي حنيفة والشافعی وغيرهما

وغيرهما

”البتہ ایسے منی کی وجہ سے جو آپ ﷺ کی حرمت کی تعظیم اور آپ ﷺ کے مقام کے احترام اور توقیر کی طرف اور آپ ﷺ کے عیب اور لاحق نقص کے زوال کی طرف لوٹاتا ہے، اس چیز کو توبہ ساقط نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ آپ کی عزت کے





ساتھ متعلق ہے اور یہ آپ ﷺ کا دیگر آدمیوں کے حقوق کی طرح حق ہے اور یہی امام ابو حنیفہ اور امام شافعی و دیگر کا صحیح قول ہے۔“

⑨ ان تمام فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ انہوں نے اسے موالک یا حتابلہ کا مذہب سمجھ کر نہیں بلکہ اسے امام اعظم کا مذہب سمجھ کر اختیار کیا ہے۔

بعد الاخذ توبہ بالاتفاق قبول نہیں!

اب ان چند فقہاء احتفاف کے موقف کے بارے میں بھی بات کرتے ہیں جنہیں تاسع ہو اور انہوں نے گتائخ رسول پر ردة عامہ کا اطلاق کیا اور اس بنا پر اسکی توبہ کی قبولیت کی طرف گئے۔ ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گتائخ ملعون کی بعد الاخذ توبہ قبول نہیں کی جائے گی، البتہ قبل الاخذ اس کی توبہ قبول کی جاسکتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں مفتی ابوالسعود حنفیؒی تصریح: بعد أخذه لا تقبل توبته اتفاقاً فيقتل . وقبله اختلف في قبول توبته وعند أبي حنيفة تقبل فلا يقتل وعند بقية الأئمة لا تقبل ويقتل حداً حداً^۱ گتائخ رسول کی توبہ بعد الاخذ بالاتفاق وبالجماع قبول نہیں کی جائے گی بلکہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ قبل الاخذ اس کی توبہ کے قبول ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام اعظم کے نزدیک اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا جبکہ باقی ائمہ کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اسے بطور حد قتل کر دیا جائے گا۔“

پھر قبل الاخذ توبہ کی قبولیت کا موقف رکھنے والے بھی دو طرح کے ہیں: ایک کا موقف یہ ہے کہ گتائخ رسول کی حد توبہ اور تجدید اسلام سے ساقط ہو جائے گی اور مجرم کو چھوڑ دیا جائے گا، جبکہ دوسرا موقف یہ ہے کہ اس کی توبہ سے حد ساقط نہیں ہو گی اور اسے لازماً قتل کیا جائے گا۔ البتہ اگر وہ گتائخ حد کے اجرے سے پہلے تائب ہو جائے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے تو حد کے اجر کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ کیا جائے گا (یعنی اسکے کفن، دفن اور وراثت کے معاملات) اور اگر وہ اپنے کفر پر قائم رہے تو اسے کفر وار تداد کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور قتل کے بعد اس پر مشرکین کے احکام جاری ہوں گے۔

۸۸



اگست
2011

توبہ سے قتل کی سزا ساقط نہیں ہو گی

گویا اس موقف کے مطابق توبہ اور تجدید اسلام کے بعد بھی وہ قتل ہی کیا جائے گا لیکن اسے دو فوائد حاصل ہوں گے ایک تو یہ کہ قتل کے بعد اس پر کفن و دفن اور وراثت کے حوالے سے مسلمان جیسے احکام کا ہی اطلاق ہو گا اور ثانیاً وہ آخرت میں بخشش کا امیدوار بھی ہو گا۔ درحقیقت یہ موقف معنوی اعتبار سے کثیر احتفاف کے مذکورہ بالاموقف کے قریب ہے کیونکہ دونوں کے نزدیک اس کی سزا ساقط نہیں ہو گی اور اسے لازماً قتل کیا جائے گا جبکہ مؤخر الذکر حضرات نے قبل الأخذ اس کی توبہ کو قبول کیا ہے تاکہ اگر وہ خلوصِ دل کے ساتھ تائب ہو کر تجدید اسلام کر لے تو حد کے اجر کے بعد اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا عاملہ کیا جاسکے اور وہ آخرت میں بخشش کا امیدوار بھی رہے۔ اس موقف کیوضاحت امام اساعیل حقیقی نے کی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

فالمختار أن من صدر منه ما يدل على تحفييفه عليه السلام بعده
وقصد من عامة المسلمين يجب قتله ولا تقبل توبته بمعنى
الخلاص من القتل وإن أتى بكلمتي الشهادة والرجوع والتوبة
لكن لو مات بعد التوبة أو قتل حداً مات ميتة الإسلام في غسله
وصلاته ودفنه ولو أصرّ على السب وتمادي عليه وأبى التوبة منه
قتل على ذلك كان كافراً وميراثه للMuslimين ولا يغسل ولا يصلى
عليه ولا يكفن وبل تستر عورته ويوارى كما يفعل بالكافار

”ذہب مختار ہی ہے کہ مسلمانوں میں سے جس شخص سے حضور ﷺ کی شانِ قدس میں جان بوجھ کر عمدًا کوئی ایسا کلمہ صادر ہو جائے جو ابانت و استخفاف اور تحریر پر دلالت کرتا ہو تو ایسے شخص کو اس گستاخی کے ارتکاب پر قتل کرنا (امت مسلمہ پر) واجب ہے اور اس کی توبہ بایس معنی قبول نہ ہو گی کہ اسے سزاۓ قتل سے چھکارا مل جائے اگرچہ وہ توبہ ور جو ع کرے اور توحید و رسالت کی گواہی دیتا پھرے۔ ہاں مگر وہ توبہ کرنے کے بعد مر گیا یا بعد از توبہ اس پر حد قتل کا نفاذ ہو گیا تو پھر اس کی موت (بعض احکام میں) مسلمانوں کی ہی سمجھی جائے گی، غسل دینے، نماز جائزہ پڑھنے اور دفن کرنے میں۔ اس کے بر عکس اگر وہ گستاخی پر مصروف ہے اور اس پر مسئلہ کار بند رہے اور اس بنابر قتل کر دیا جائے تو وہ





کافر ہو جائے گا اور اس کی میراث مسلمانوں کے لئے ہو گی، اسے غسل نہیں دیا جائے گا۔ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی جائے گی اور نہ ہی اسے کفن دیا جائے گا۔ ہاں اس کا ستر ڈھانپ دیا جائے گا اور اسے پیوند خاک کر دیا جائے گا جیسے کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

لہذا جن چند احناف نے گستاخ رسول پر ردة عامة کا اطلاق کرتے ہوئے اس کی قبل الأخذ توبہ کی قبولیت کو مانا ہے، ایک تو ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ پھر وہ بھی بعد الأخذ توبہ کو نہیں مانتے جبکہ در حقیقت توبہ اور اس کی قبولیت کا معاملہ تو بعد الأخذ ہی شروع ہوتا ہے۔ گویا احناف کے مابین اختلافات کی حدیں سمٹ جاتی ہیں اور نتیجہ تمام احناف ہی گستاخ مسلمان کی توبہ کو قبول نہیں کرتے اور اسے لازماً قتل کرنے کا ہی موقف رکھتے ہیں۔

امام اعظمؑ کے دو اقوال

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مفتی ابوالسعود حنفیؓ کے مذکورہ بالاقول سے امام اعظمؑ کا یہ موقف سامنے آتا ہے کہ گستاخ مسلمان کی توبہ قبول کی جائے گی اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا جبکہ کثیر فقہاء احناف نے امام اعظمؑ کا دوسرا قول ذکر کیا ہے جسے ان کی اپنی عبارتوں میں اوپر نقل کر دیا گیا ہے جس کے تحت گستاخ رسول کی توبہ قبول نہیں ہے اور اسے لازماً قتل کیا جائے، لہذا یہ بات بالکل واضح اور آشکار ہے کہ اس مسئلہ پر امام اعظمؑ سے دو متعارض اقوال نقل کیے گئے ہیں، اگرچہ اول الذکر قول کو بہت کم احناف نے نقل کیا ہے جبکہ کثیر احناف نے ثانی الذکر قول ہی نقل کیا ہے۔

امام ابن ابی جرہؓ کی تقطیق

ان دونوں اقوال میں امام ابن ابی جرہؓ نے یوں تقطیق فرمائی ہے:

”اس سے بہت کم گستاخی پر بھی ایسے شخص کے قتل پر اجماع ہے البتہ جو امام شافعی اور امام اعظم ابوحنیفہ سے دوسراؤں یہ مردی ہے کہ یہ ارتدا ہے اور ایسے شخص کا قتل لازم ہے مگر یہ کہ وہ توبہ کر لے اور اسی کی مثل امام بالک سے ایک ضعیف قول منقول ہے اور ان کا یہ مشہور مذہب نہیں، ان کا مشہور مذہب قتل ہے اور اس سے توبہ کا مطالبہ بھی نہیں کیا جائے گا۔“ پھر فرماتے ہیں:

وَهُنَا بَحْثٌ وَهُوَ لَا يَخْلُو مَا نَقْلُ مِنِ الإِجْمَاعِ أَنْ يَكُونَ قَبْلَ مَا ذُكِرَ مِنَ الْخِلَافِ الْمُتَقْدِمِ عَنْ ذِكْرِ أُوْيَ أَوْ يَكُونُ الْخِلَافُ مُتَقْدِمًا عَلَى الإِجْمَاعِ فَإِنْ كَانَ الْخِلَافُ مِنْهُمْ قَبْلَ ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى الإِجْمَاعِ فَلَا تَأْثِيرٌ

لذلك الخلاف وتحقق الإجماع وإن كان الخلاف منهم وقع بعد الإجماع لا يعيبه به والذي نقل الإجماع في قتله جماعة منهم صاحب الاستذكار وصاحب الكافي والتلمessiani وابن سبوع وابن رشد وابن أبي زيد وسخنون والليث والقاضي عياض وابن العربي رحمهم الله تعالى جماعة من يقرب من هولاء في الشهرة انسيthem في الوقت^۱

”یہاں یہ بحث ہے کہ جو اجماع نقل کیا گیا ہے، اس کے بارے میں سوال یہ ہے کہ وہ سابقہ مذکورہ اختلاف سے پہلے ہے یا یہ اختلاف اجماع پر مقدم ہے۔ اگر اختلاف پہلے تھا پھر وہ اجماع کی طرف لوٹ آئے تو اب یہ اختلاف غیر موثق ہے اور اجماع ثابت ہو جائے گا اور اگر ان کا اختلاف اجماع کے بعد ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ گستاخ کے قتل کے بارے میں اجماع پوری جماعت نے نقل کیا ہے ان میں سے صاحب الاستذكار، صاحب الكافی، امام تمسانی، امام ابن سبوع، امام ابن رشد، امام ابن أبي زید، امام سخنون، امام لیث، قاضی عیاض اور ابن العربي رحمہم اللہ تعالیٰ اور ایک پوری جماعت جو شہرت میں ان لوگوں کے قریب ہے، اس وقت میں ان کے نام بھول گیا ہوں۔“

امام اعظم اجماع صحابہ کی پیروی کرتے ہیں

امام اعظم[ؑ] کے اسی قول پر ایک اور پہلو سے بات کرتے ہیں۔ ہم مذاہب اربعہ کے جید ائمہ سے یہ بات سامنے لا چکے ہیں کہ گستاخ رسول کو حداً قتل کرنے یا رد ادغاص کی وجہ اس کی توبہ قبول کیے بغیر اسے قتل کرنے پر امت کا اجماع ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس اجماع امت میں صحابہ کرام بھی شامل ہیں۔ کئی علماء امت نے تو اس مسئلہ پر صحابہ کرام کا اجماع بطور خاص نقل کیا ہے۔ جیسا کہ قاضی عیاض مالکی^(ت ۵۶۳ھ) فرماتے ہیں:

وَهُذَا كُلُّهُ أَجْمَاعُ الْعُلَمَاءِ وَأَئِمَّةِ الْفَتُوْىِ مِنْ لَدُنِ الصَّحَابَةِ

رسوان اللہ علیہم إلی هلم جراً^۲

”اس پر صحابہ رض سے لے کر آج تک اہل علم اور ائمہ فتویٰ کا اجماع ہے۔“

۱ پہبندانفس: ۱۶۱/۲

۲ تفصیل کے لئے دیکھئے شمارہ ذہا صفحہ نمبر ۳۲

۳ الشفاء: ۹۳۳/۲





اب غور طلب معاملہ یہ ہے کہ خفی مذہب کے بانی سراج الامم حضرت امام ابوحنیفہ نے خود فرمایا ہے کہ وہ صحابہ کرام ﷺ کے اجماع کی پیروی کرتے ہیں۔

امام اعظم نے اپنے اس مذہب کی خود تصریح فرمائی ہے جیسا کہ جب خلیفہ ابو جعفر المنصور نے امام اعظم کو خط لکھا اور ان سے دریافت کیا کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ آپ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں تو انہوں نے خلیفہ کو جواباً یہ فرمایا:

لیس الأمر كما بلغك يا أمير المؤمنين إنما أعمل أولا بكتاب الله ثم
بسنة رسول الله، ثم بأقضية أبي بكر و عمر و عثمان و علي رضي الله
عنهم ثم بأقضية بقية الصحابة ثم أقيس بعد ذلك إذا اختلفوا

”اے امیر المؤمنین! بات ایسے نہیں جس طرح آب تک پہنچی ہے۔ بلاشبہ میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت پر پھر حضرت ابو بکر، پھر حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیضوں پر پھر دیگر صحابہ کے فیضوں پر اور اس کے بعد اگر صحابہ میں اختلاف ہو تو قیاس کرتا ہوں۔“

ایک اور مقام پر امام اعظم فرماتے ہیں:

آخذ بكتاب الله فاما لم أجد فبسنة رسول الله ﷺ فإن لم أجد في
كتاب الله ولا سنة رسول الله ﷺ أخذت بقول أصحابه، آخذ
بقول من شئت منهم، وأدع من شئت منهم ولا أخرج من قولهم
إلى قول غيرهم

”مجھے جب کوئی حکم خدا کی کتاب سے مل جاتا ہے تو میں اسی کو تھام لیتا ہوں اور جب اس میں نہیں ملتا تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کو تھام لیتا ہوں اور جب کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ (دونوں) میں نہیں ملتا تو میں صحابہ کے قول (اجماع صحابہ) کی پیروی کرتا ہوں اور (ان کے اختلاف کی صورت میں) جس صحابی کا قول چاہتا ہوں قبول کر لیتا ہوں اور جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں مگر ان سب کے اقوال سے باہر جا کر کسی کا قول نہیں لیتا۔“

امام اعظم کے ان اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ صحابہ کرام کے اجماع کی پیروی کرتے تھے، اس لیے ان سے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ اجماع صحابہ کے خلاف قول کریں۔ چنانچہ امام اعظم کا اس مسئلہ پر وہی قول معتبر قرار پاتا ہے جو کثیر متاخرین احتجاف نے



تو اتر کے ساتھ نقل کیا ہے اور انہوں نے اپنی رائے کی بنیاد امام اعظم کے اسی قول پر رکھی ہے۔ کثیر متاخرین احتجاف نے امام اعظم کے اس قول کے علاوہ متفقین احتجاف سے بھی تائید حاصل کی ہے جن میں ۲۳۶ھ کے امام ناطقی حنفیٰ اور امام ابو بکر جصاص (ت ۲۷۰ھ) نمایاں طور پر شامل ہیں۔ تفصیلی اقتباسات پہلے نقل کردیئے گئے ہیں۔

کیا جید فقهاء احتجاف نے کلاسیکی حنفی موقف سے انحراف کیا؟

جناب عمار خال ناصر نے ان متاخرین احتجاف کے بارے میں لکھا ہے:

”ہمارے ہاں چونکہ ایک خاص جذباتی فضائیں بہت سے حنفی اہل علم بھی فقط حنفی کے کلاسیکی موقف کو بعض متاخرین کے فتوؤں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں، اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس ضمن میں بعض مستند تصریحات نقل کردی جائیں۔“

ان کا یہ موقف بھی بالکل غلط ہے کیونکہ جن متاخرین کی وہ بات کر رہے ہیں ان کے اقوال ہم نے اوپر نقل کر دیئے ہیں جن میں انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ یہ مذہب سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور امام اعظمؓ کا ہے۔ یہ متاخرین احتجاف جن میں ابن الہام اور ابن نجیم جیسے جید فقهاء احتجاف شامل ہیں، ان کے بارے میں موصوف کیا یہ گمان رکھتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات بلا تحقیق کر دی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر موصوف کے بقول احتجاف کا کلاسیکی موقف ان کی آراء سے مختلف تھا تو انہوں نے یہ بات کیسے لکھ دی کہ یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور امام اعظمؓ کا مذہب ہے؟ کیا انہوں نے غلط بیانی سے کام لیا؟ اتنے بڑے حنفی مجتہد اور فقیہ ہونے کے باوجود انہوں نے احتجاف کے کلاسیکی موقف (بقول موصوف) سے کیوں انحراف کیا؟ اور موصوف جو آج کل کے احتجاف پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ وہ فقط حنفی کے کلاسیکی موقف کو بعض متاخرین احتجاف کے فتوؤں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اگر موصوف کی یہ بات درست ہے تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ آج کل کے ان اہل علم حضرات کو مطعون کرنے کی بجائے ان متاخرین احتجاف پر یہ الزام عائد کرتے کہ انہوں نے موصوف کے بقول احتجاف کے کلاسیکی موقف سے انحراف کیا ہے لیکن شاید پندرھویں صدی کے نام نہاد محقق کو آسمانِ علم کے ان درخشنده ستاروں کی بابت کچھ کہنے کی جرأت نہ





ہو سکی اور موصوف نے ان کی عبارتیں نقل کرنے والوں کو مورد الزام ٹھہر اکر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ اب موصوف کی ان مستند تصریحات کا بھی جائزہ لیتے ہیں جو انہوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کی ہیں کہ احتاف کے کلاسیکی موقف کو بعض متاخرین کے فتوؤں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

موصوف کا ایک اور کرشمہ

سب سے پہلے تو لفظ 'بعض' سے ان کی خیانت آشکار کرتے ہیں کیونکہ ہم نے درجن سے زائد متاخرین فقہائے احتاف کے اقوال اور نقل کر دیے ہیں، کیا ان کثیر فقہائے کرام پر لفظ 'بعض' صادق آتا ہے؟ ان کثیر فقہائے احتاف کے مقابلے میں کئی صدیاں بعد بھی امام شامی ہنہا نظر آتے ہیں۔ یہ ہے اصل صور تحال لیکن موصوف کا اعجاز دیکھیں کہ انہوں نے کثیر فقہائے کرام کو بعض قرار دیدیا اور امام شامی جو تھا کھڑے ہیں، انہیں کثیر بنادیا۔ اور یہ بھی نہیں دیکھا کہ امام محمدؐ کیا فرماتے ہیں؟

اب ان کی طرف سے پیش کردہ ان مستند تصریحات کا بھی جائزہ لیتے ہیں جو انہوں نے بزعم خوبیش احتاف کے کلاسیکی موقف کو اجاگر کرنے کیلئے نقل کی ہیں۔ یہ تمام تصریحات معابر گستاخ کے بارے میں ہیں۔ سب سے پہلے انہوں نے امام طحاوی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”ہمارے فقہاء کے مطابق اگر کوئی مسلمان نبی ﷺ کو اچھا کہے یا آپ کی تقییں کرے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے اور اگر وہ ذمی ہو تو اسے سزاوی جائے گی لیکن قتل نہیں کیا جائے گا۔“

امام طحاوی بلاشبہ ۳۶۱ھ کے جید فقیہ ہیں۔ ان کی کتاب اختلاف العلماء کا اختصار معروف حقیقی ابن جصاص الرازی (۸۰ھ) نے کیا ہے جو ”مخترع اختلاف العلماء“ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ امام ابو بکر احمد بن علی الجصاص ”رماتے ہیں کہ ذمی اگر نبی کریم ﷺ کو گالیاں دے تو اس کا عہد ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ رسول ﷺ کو گالیاں دینا دین میں طعن کرنے سے زیادہ برائے۔ انہوں نے لیٹ کا قول بھی کیا ہے کہ ساب النبی سے نہ مناظرہ کیا جائے اور نہ تو بہ کا مطالبہ کیا جائے بلکہ اسے موقع پر ہی قتل کر دیا جائے اور اسی حکم کا اطلاق یہودی اور نصرانی گستاخ پر بھی ہو گا، لیٹ ۷۵۱ھ کے عالم ہیں۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام طحاویؐ کے اس موقف کو تو ان کی کتاب کا اختصار کرنیوالے حقیقی نے بھی قول نہیں کیا۔ اس کے بعد انہوں نے علامہ کاسانی کی یہ تصریح پیش کی ہے کہ اگر ذمی نبی کو بھلا برائے تو



اُس سے اس کا معابدہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ ایسا کر کے اُس نے سابقہ کفر پر مزید کفر کا اضافہ کیا ہے۔ چونکہ معابدہ اصل کفر کے باوجود قائم رہتا ہے اس لیے کفر میں اضافے پر بھی برقرار رہے گا۔ امام طحاوی اور علامہ کاسانی کا یہ موقف کئی وجہ کی بنیاد پر احناف کے ہاں مقبول نہیں:

- ① اولًا، ان کا یہ موقف امام محمدؐ کے قول کے خلاف ہے، جیسا کہ امام محمدؐ کا قول گزر چکا۔
- ② ثانیًا، متاخرین احناف کی تائید: ان کے اس موقف کو بعد کے احناف نے بھی قبول نہیں کیا۔ علامہ کاسانی (۷۵۸ھ) کے بعد علامہ بدر الدین عین (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ توہین رسالت کی وجہ سے مؤمن کا ایمان نہیں رہتا، ذمی کی امان کیسے باقی رہ جائے گی؟ کیونکہ مسلمان جب رسول اللہ ﷺ کو گالی دے تو کافر ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر حاکم ایسا کرے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ اور جو ویسے ہی مجرم اور دین کا دشمن ہو وہ توہین کرے تو اسے کیسے چھوڑ دیا جائے گا؟

اسی طرح محقق علی الاطلاق امام ابن الہام فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ ذمی نے اگر حضور ﷺ کی اہانت کی یا اللہ تعالیٰ کی طرف غیر مناسب بات منسوب کی اگر وہ مسلمانوں کے عقائد سے خارج ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت یہ یہود و نصاریٰ کا عقیدہ ہے جب وہ ان چیزوں کا اظہار کرے گا تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔ ان کے علاوہ بھی تقریباً تمام متاخرین احناف نے ذمی کا عہد ٹوٹنے کا قول کیا ہے۔ ان عبارات کے حوالہ جات ہم نے اوپر نقل کر دیئے ہیں۔ حق بات تو یہ ہے کہ علامہ بدر الدین عینیؒ کا یہ قول سونے کے ساتھ تولئے کے قابل ہیں کہ جب توہین رسالت کی وجہ سے مؤمن کا ایمان نہیں رہتا تو ذمی کے لئے امان کیسے باقی رہ سکتی ہے۔

موصوف کی ایک اور علمی خیانت

جناب عمار خاں ناصر نے پر لے درجے کی بد دینتی کرتے ہوئے امام ابن الہام کا ایک قول نقل کیا ہے اور اس کے ترجمہ میں میں القوسین (سب و شتم کی صورت میں) کا اضافہ اپنی طرف سے کر دیا ہے اور یوں انہوں نے جو حکم بااغی اور سرکش ذمی کے بارے میں لگایا جو شاتم رسول نہیں ہے، اسے انہوں نے علمی خیانت کرتے ہوئے اسے ایسے بااغی ذمی پر منطبق کر دیا ہے جو کہ شاتم بھی ہے، انہوں نے جو ترجمہ کیا ہے، ہم اسے اصل عبارت کے ساتھ پیش کرتے ہیں:





”علام ابن الہام فرماتے ہیں: هذا البحث منا یوجب أنه إذا استعملی على المسلمين على وجه صار متمرداً عليهم حل للإمام قتله أو يرجع إلى الذل والصغار ”ہماری اس بحث کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر ذمی (سب و شتم کی صورت میں) مسلمانوں کے مقابلے میں سرکشی دکھاتے ہوئے باعینہ روشن اختیار کر لے تو حکمران کے لیے اسے قتل کرنا جائز ہو جاتا ہے، الایہ کہ وہ دوبارہ ذلت اور پستی کی حالت قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے۔“

حالانکہ امام ابن الہام کا موقف ہم نے پہلے نقل کر دیا ہے کہ وہ ذمی کی طرف سے اہانت رسول پر نقض عہد اور اس کے قتل کا موقف رکھتے ہیں۔ موصوف نے خود بھی اپنی تالیف میں امام ابن الہام کیا ہی موقوف بیان کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

”جمہور فقہا اور احناف کے مابین ایک اختلافی نکتہ یہ ہے کہ آیا اللہ ذمہ کی طرف سے سب و شتم کے ارتکاب کی صورت میں معابدة ذمہ برقرار رہتا ہے یا ثبوت جاتا ہے۔ جمہور فقہا اسے ناقض عہد مانتے ہیں اور احناف میں سے امام ابو بکر الجاصص اور ابن الہام کار جان بھی بھی یہی ہے کہ سب و شتم کو نقض عہد کے ہم معنی قرار دینا چاہیے۔“

اس کے بعد انہوں نے ابن عابدین شامی کا ایک قول نقل کیا ہے۔ اصولاً تو ابن عابدین شامی کے کسی قول سے متفق میں کے موقف پر دلالت نہیں ہوتی جبکہ ان سے پہلے متعدد احناف امام عظیم اور متفق میں احناف ہی کی پیروی میں احناف کے کلاسیکی موقف کو واضح کر چکے ہیں پھر انکے اس اقتباس سے یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ احناف کا کلاسیکی موقف کیا تھا؟ حاصل کلام کے طور پر عرض ہے کہ پوری امت گتائیخ رسول خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کے وجوب قتل پر متفق ہے اور احناف کا مفتی بے قول یہی ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں اور اسے لازماً قتل کیا جائے گا۔ احناف اور جمہور فقہاء کے مابین عملی نتیجہ کے اعتبار سے کوئی بینادی اختلاف نہیں ہے۔ ہمیں اس مسئلہ پر سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور حفیت کی آڑ میں ناموس رسالت کے مجرموں کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کرنے کی خاطر دور کی کوڑی لانے کی بجائے احناف سمیت جمہور فقہاء کے موقف کے مطابق پاکستان میں رانج قانون توہین رسالت کو دل و جان کے ساتھ قبول کر لینا چاہیے اور طاغوت کا آلہ کار بننے سے اجتناب کرنا چاہیے۔



۱ فتح القدير: ۲۳، ۶۰، ۶۲: بحوالہ توہین رسالت کامسلک: ۷۵

۲ توہین رسالت کامسلک: ۵۳